138
3
16

محدث

وداعیا الی اللہ باذنہ
وسراجا منیرا

مجلس التحقیق الاسلامی

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

مُحدِّث

لاہور

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مدیر معاون
اکرام اللہ ساجد

عدد ۳	ربیع الاول ۱۴۰۶ھ (مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء)	جلد ۱۶

فہرست مضامین

فکر و نظر

۱۔ ۱۶ / دسمبر — اکرام اللہ ساجد — ۲

انٹرویو

۲۔ اسلام میں سیاسی جماعتوں کا وجود؟ — مدیر — ۶

دار الافتاء

۳۔ چند متفرق سوالوں کے جوابات — شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی — ۱۷

۴۔ قربانی کے بعض مسائل — حضرت مولانا سعید مجتبیٰ السعیدی — ۱۹

مقالات

۵۔ شہادتِ حسینؓ شیعہ سنی تاریخ کے آئینہ میں — مولانا عبدالرحمٰن عزیز الہ آبادی — ۲۲

تحقیق و تنقید

۶۔ عورت پردہ اور اسلامی تعلیمات — اکرام اللہ ساجد — ۲۸

شعر و ادب

نعت — جناب اسرار احمد سہاوری — ۱۶

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے۔ ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی — طابع: چودھری رشید احمد — مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور۔

دفتر رابطہ: ۹۹۔ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ — زر سالانہ: ۳۰/- روپے — فی مجلہ: ۳/ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

۱۶ دسمبر

جمہوریت پرستوں کی طرف سے، ملکِ عزیز میں بحالیٔ جمہوریت کا جس بیتابی سے انتظار ہو رہا ہے، اس کے پیشِ نظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہالیانِ پاکستان، جو اس کے قیام سے لے کر اب تک تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، یکم جنوری ۸۶ء کے سورج کی ابتدائی کرنوں کی روشنی میں اچانک اپنی منزلِ مقصود کو اپنے سامنے دیکھیں گے اور پلک جھپکتے میں ان کے دینی، سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور جغرافیائی سبھی مسائل حل ہو جائیں گے ——— یہ الگ بات ہے کہ علمبردارانِ جمہوریت کو خود بحالیٔ جمہوریت ہی پر اطمینان حاصل نہ ہو۔ یعنی جمہوریت مل جانے کے باوجود جمہوریت ہی انہیں نصیب نہ ہو اور منتخب حکومت ہی منتخب کہلانے کی حقدار نہ ہو ——— وجہ یہ کہ ان کے نزدیک "آسمانی صحیفہ" اور "منزل من اللہ" ۱۹۷۳ء کے دستور کی کسی "آیت" کی رُو سے غیر جماعتی انتخابات، ملکِ عزیز کو "اسلامی جمہوریہ پاکستان" بنا دینے کی راہ میں بری طرح حائل ہیں۔ اور جس طرح کوئی شخص کلمہ پڑھے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا، اسی طرح پاکستان کی کوئی حکومت ۱۹۷۳ء کے دستور کو من و عن نافذ کئے بغیر ان کی نظر میں مسلمان نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ:

بزرگ سیاستدان جناب نوابزادہ نصر اللہ خان سے جب ضیاء راجیو مذاکرات، شملہ معاہدہ، سیاچین گلیشیئر، ایٹمی ہتھیاروں اور دیگر سرحدی حالات ایسے اہم مسائل سے متعلق استفسار کیا گیا، تو یہ تمام مسائل انہیں ایک آنکھ نہ بھائے اور بڑی شانِ بے نیازی سے انہوں نے فرمایا کہ:

"مسائل منتخب حکومتیں ہی حل کر سکتی ہیں!"

جبکہ راؤ رشید صاحب کا متوقع بحالیٔ جمہوریت پر تبصرہ یوں ہے کہ:

"مارشل لاء ختم نہیں ہوگا (البتہ) عوام کی خوش فہمی ختم ہو جائے گی!"

جتوئی صاحب نے ارشاد کیا ہے کہ:

"مارشل لاء کو، کالا برقع تبدیل کر کے، سفید برقع پہنا دیا جائے گا۔"

اور جہانگیر بدر صاحب فرماتے ہیں کہ:

"مارشل لاء کے خاتمے کا اعلان دھوکہ دینے کی کوشش ہوگی!"

——— مارشل لاء کے خاتمہ اور بحالیٔ جمہوریت سے متعلق یہ تمام بیانات ۱۶ر دسمبر کے روزنامہ جنگ میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہی روزنامہ "آزادی کی اس نیلم پری" (جمہوریت) کے انتظار میں ایک ایک دن گن گن کے کاٹ رہا ہے اور ہر نئی طلوع ہونے والی صبح کے ساتھ ہی عوام کو "خوشخبری" دینا ضروری خیال کرتا ہے کہ:

"صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیر اعظم جونیجو کے اعلان کے مطابق مارشل لاء ختم ہونے میں اب زیادہ سے زیادہ ..... دن باقی رہ گئے ہیں۔ پوری قوم کو یہ دن صبر و تحمل کے ساتھ گزار کر ملک میں بحالیٔ جمہوریت کی راہ ہموار کرنی چاہیئے!"

طرفہ یہ کہ یہی صدر صاحب، یہی جمہوریت مذکور سے بحال کر چکے اور خود وزیر اعظم جونیجو بطورِ ثبوت اسی بحالیٔ جمہوریت کی پیداوار ہیں ——— چنانچہ ۱۶ر دسمبر ہی کے "جنگ" میں صدر صاحب کا یہ بیان بھی موجود ہے کہ:

"مارشل لاء اٹھنے کے بعد بھی سورج مشرق سے ہی طلوع ہوگا (یعنی مغرب سے طلوع ہو کر قیامت نہیں آجائے گی)، پاکستان میں عوامی ادارے مارشل لاء اٹھنے سے قبل بھی کام کر رہے ہیں، پھر بھی کام کرتے رہیں گے۔ مارشل لاء کے بعد کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوگی۔"

——— شاید یہی وجہ ہے کہ سیاستدانوں کے نزدیک یہ سب فراڈ ہے اور ان کو یقین ہے کہ مارشل لاء جائے گا اور نہ جمہوریت ہی بحال ہوگی ——— کیونکہ جب تک سورج مغرب سے طلوع ہو کر قیامت نہ آجائے، جمہوریت بحال ہو بھی کیسے سکتی ہے؟

—— آہ ؏

ہوتا ہے شب و روز تماشہ مرے آگے

قیامِ پاکستان کو اڑتیس برس گزر گئے۔ لیکن ہمارے یہ راہنما ابھی تک طرزِ حکومت کی تلاش میں سرگرداں، اس کی ابتدائی منزلوں سے گزر رہے ہیں —— حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ طرزِ حکومت نہیں، بلکہ حکومت کی تلاش میں ہیں۔ اور ان کی انہی "مساعیٔ جمیلہ" کی بدولت پاکستان دو لخت ہوا —— ۱۶ دسمبر ہی وہ دن ہے، جب سقوطِ ڈھاکہ کا المیہ رونما ہوا۔ اور اب بچا کھچا پاکستان بے شمار سلگتے مسائل کے جہنم کی زد میں ہے۔ لیکن بیہوشیوں کو کس قدر ہوش آیا ہے، ۱۶ دسمبر ہی کا اخبار اس پر شاہد عدل ہے!

—— آج سے ٹھیک پندرہ سال قبل بھی جمہوریت بحال ہوئی تھی، اور آج بھی جمہوریت بحال ہو رہی ہے —— اُس وقت بھی اقتدار کی جنگ جاری تھی، آج بھی اقتدار کی یہ جنگ جاری ہے —— اُس وقت بھی "اُدھر تم اِدھر ہم" کا نعرہ لگا تھا اور قیامتیں گزر گئی تھیں، آج بھی یہ لوگ حکومت کی سٹیج پر ایک واضح تبدیلی کے خواہاں ہیں، اور بہ ظاہر اس وقت تک مطمئن ہوتے نظر نہیں آتے، جب تک تختِ حکومت پر خود متمکن نہیں ہو جاتے۔ خواہ اس کی خاطر قیامتیں دوبارہ ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑیں۔ اس لیے کہ انہیں تو بس اقتدار سے غرض ہے، ملک رہے یا نہ رہے، ان کی بلا سے! —— اب یہ سوچنا اہلِ فکر و نظر کا کام ہے کہ خدانخواستہ، تاریخ کہیں اپنے آپ کو دوہرا تو نہیں رہی!

ان تمام مصائب کا واحد حل تو یہ تھا کہ ہر طرف سے کٹ کر صرف اور صرف اسلام کے دامنِ عافیت میں پناہ لے لی جاتی، لیکن ستم تو یہی ہے کہ اسلام ہی نہ حکومت کو عزیز ہے اور نہ سیاستدانوں کو، البتہ نعرہ کی حد تک اس کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں! —— جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، تو وہ چونکہ اس سے کافی فائدہ اٹھا چکی، اس لیے اُسے اب اِس نعرہ کی بھی ضرورت نہیں رہی، چنانچہ مارشل لاء اٹھنے کے بعد اب صرف اور صرف جمہوریت بحال ہو رہی ہے، اور اس کے ساتھ "اسلامی" کا دم چھلا لگانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

جبکہ سیاستدانوں کا معاملہ ذرا مختلف ہے، ان کی روح تو جمہوریت میں اٹکی

ہوئی ہے، لیکن عوام کی ہمدردیاں حاصل کئے بغیر انہیں اس سے مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ جبکہ عوام کو صرف اسلام کے نام پر انگیخت کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہیں اس نعرہ کی ابھی ضرورت ہے۔ لہٰذا وہ جمہوریت کو مسلمان بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں ——— اور کچھ عرصہ سے ان کی تمنّیں اس قدر جوان ہو چکی ہیں کہ وہ "اسلام میں سیاسی جماعتوں کے وجود" کی سند خلافتِ راشدہ کے دَور سے لانے کے درپے ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اسلام جس طرح اپنی طرز کا واحد نظام ہے اور اسے دنیا کے دیگر خود ساختہ نظاموں سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح جمہوریت کے لازمہ انتشار و افتراق سے بھی وہ قطعی بیزار ہے!

آئندہ صفحات میں مدیرِ محدث کا ایک انٹرویو شائع کیا جا رہا ہے، جس میں انہوں نے "اسلام میں سیاسی جماعتوں کے وجود" اور دیگر اسی قسم کے مسائل پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے کہ اسلام اور جمہوریت کا فرق واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے ——— لَعَلَّ فِيهِ كِفَايَةً لِمَنْ لَهُ دِرَايَةٌ

(اکرام اللہ ساجد)

مسلم پرسنل لاء نمبر

مسلم پرسنل لاء کیا ہے؟ شرعاً اسکی کیا اہمیت ہے؟ عصرِ حاضر میں اسکی اہمیت میں کیوں اضافہ ہوا ہے؟ حکومت اس سلسلہ میں کیا قدم اٹھا رہی ہے اور مسلمان اس سے کس طرح متأثر ہو رہے ہیں؟ مستقبل میں کیا اندیشے ہیں؟

اس موضوع پر اہلِ علم کے گرانقدر مقالات کیلئے پڑھیے:

ماهنامه دار العلوم کا مسلم پرسنل لاء نمبر

جو مارچ ۸۶ء میں منظرِ عام پر آرہا ہے!

انٹرویو مدیر

اسلام میں سیاسی جماعتوں کا وجود؟

سطور ذیل میں مدیر محدث حافظ عبدالرحمن مدنی کا وہ انٹرویو تفصیل سے شائع کیا جارہا ہے جو روزنامہ "وفاق" کے نمائندہ جناب جلیل الرحمان شکیل نے "اسلام میں سیاسی جماعتوں کے وجود" کے موضوع پر ان سے لیا تھا۔ اور مورخہ ۲۴ نومبر ۸۵ء کے "وفاق" میں اس کی رپورٹ شائع ہوچکی ہے۔ (ادارہ)

سوال: کیا اسلام میں سیاسی جماعتوں کے قیام کی گنجائش موجود ہے؟

جواب: اسلام میں تنظیم جماعت کا تصور، ملت کے تصور سے منسلک ہے جبکہ ملتِ اسلامیہ تین چیزوں سے تشکیل پاتی ہے۔ اللہ، قرآن اور رسول! چونکہ ملت کا تعلق فکر و عمل کے امتیازات یا بالفاظِ دیگر اسلامی تہذیب و ثقافت کی اقدار سے ہے۔ لہٰذا اس کی تشکیل و تعمیر نبیؐ کے ہاتھوں انجام پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملت کی نسبت نبیؐ کی طرف ہوتی ہے اور وہی ملت کی وحدت کا تحفظ مہیا کرتا ہے ـــــ واضح رہے کہ ملت کے معنی عربی زبان میں ثبت شدہ یا لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ اور چونکہ کسی فکر کے عملی خطوط اسوۂ حسنہ کی صورت میں نبیؐ ثبت کرتا ہے، اس لیے انہی نقوش کا نام ملت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملت کی اضافت اللہ کی طرف نہیں ہوتی ـــــ نبی اگرچہ انسان ہونے کے ناتے دنیا سے رحلت فرما جاتا ہے۔ تاہم اس کے بعد اس کے خلفاء، اس کے جانشین کی حیثیت سے تاقیامت وحدتِ ملت کو قائم رکھتے ہیں۔ جس کے انتشار کا جرم اسلام کی نظر میں اس قدر سنگین ہے کہ اس کے مرتکب کو قتل کی سزا دی جاسکتی ہے ـــــ اسلامی تعلیمات میں ملت

کے باغی کی موت کو جاہلیت کی موت قرار دیا گیا ہے۔ اور ملت سے الگ رہنے والے کو آگ میں اکیلا رہنے کی وعید سنائی گئی ہے! ——— اب ظاہر ہے کہ اسلامی سیاست، ملتِ اسلامیہ سے الگ نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اسلامی سیاست بھی ملتِ اسلامیہ کی طرح انتشار و افتراق کو برداشت نہیں کرتی۔

یہ وحدتِ ملت ہی کا تصور تھا کہ استقلالِ پاکستان سے پہلے مسلمانوں نے ہندوؤں سے الگ رہنے کا مطالبہ کیا۔ جسے اگرچہ دو قومی نظریہ[1] کا نام دیا گیا لیکن درحقیقت یہ

---

[1] لفظ قوم نے ملت کا تصور بہت حد تک بگاڑ دیا ہے۔ حالانکہ قرآنِ مجید کی رُو سے لفظ قوم لفظِ ملت سے بہت مختلف ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں انبیاء علیہم السلام نے۔ ایک ہی نسل کے لوگوں کو دین کے اختلاف کے باوجود "یَاقَوْمِ" (اے میری قوم) کے لفظوں سے بارہا مخاطب فرمایا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ قریش کو بحکمِ الٰہی یوں مخاطب فرمایا:

"قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" (الزمر: ۳۹)

کہ "(اے نبیؐ) آپ فرما دیجئے، "اے میری قوم، تم اپنی جگہ عمل کرو، میں اپنی جگہ عمل کرنے والا ہوں۔ (نتیجہ) تم عنقریب دیکھ لوگے!"

چنانچہ اگر مذہب کی بنیاد پر قوم بنتی ہو تو کسی پیغمبرؑ کا اپنے مذہب سے اختلاف رکھنے والوں کو "اے میری قوم" کے الفاظ سے پکارنا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں قرآنِ مجید میں ہے:

"قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ ..... الآیۃ" (ابتداء پ ۹)

کہ "شعیبؑ کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا، "اے شعیبؑ، ہم تجھے اور تیرے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا پھر تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ گے"! شعیبؑ نے فرمایا، "اگرچہ ہم اس بات کو ناپسند ہی کرتے ہوں؟" ———

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

مسلمانوں اور ہندوؤں کی دو الگ الگ ملتیں تسلیم کرنے کا نظریہ تھا ـــــ اور پاکستان بن جانے کے بعد اگر مسلمانوں کے ایک ملت ہونے کا تصور ختم کر دیا جائے، تو پاکستان کے وجود کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

اس ساری بحث سے مقصود یہ ہے کہ اسلامی سیاست، ملتِ اسلامیہ سے الگ نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ ملتِ اسلامیہ میں انتشار و افتراق ایک سنگین جرم ہے، لہٰذا ایسی سیاست جو انتشار و افتراق کے بیج بوتی ہو، اسلامی سیاست ہو ہی نہیں سکتی! واضح رہے کہ اسلامی سیاست، اسلامی مملکت میں کتاب و سنت کے مطابق نظم و نسق چلانے اور عوام کی اس کے مطابق تربیت کرنے کا نام ہے ـــــ "سیاست" کے لغوی معنے "سدھانے" کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنے والے اور انہیں خاص استعمال کے لیے سدھانے والے شخص کو "سائیس" کہا جاتا ہے ـــــ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج کے پاکستانی سیاستدان کتاب و سنت کی واضح تعلیمات سے چشم پوشی کرتے ہوئے مغرب کے جمہوری نظام پر نثار ہونے کو اپنے لیے بڑائی اور قابلِ فخر خیال کرتے ہیں اور اس کے باوجود اسے اسلامی سیاست کا نام دیتے ہیں۔

اسلام سیاسی جماعتوں کے وجود کو، ان کے لازمہ انتشار و افتراق کی بنا پر برداشت کر ہی نہیں سکتا ـــــ علاوہ ازیں اسلام میں طلبِ اقتدار خرابی کی جڑ ہے۔ اور اس کی نظر میں سیاسی جماعتیں تو کجا، کسی فرد کا بھی اقتدار کی غرض سے میدان میں اترنا بغاوت ہے۔

(بقیہ حاشیہ) (آپؐ نے مزید فرمایا کہ) "اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ گئے، تو (اس کا مطلب یہ ہو گا کہ) ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے (حالانکہ ایسا نہیں ہے) ..... !"

معلوم ہوا کہ قوم کا لفظ مذہبی اختلاف رکھنے والوں کے مابین مشترک ہے جبکہ مذہب کی بنیاد پر صرف ملت بنتی ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ شعیبؑ اور آپؑ کے ساتھ ایمان لانے والوں کی ملت قرآنِ مجید نے ان کی اپنی ہی قوم کی ملت سے جدا بتلائی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے ہندوؤں سے الگ رہنے کے مطالبہ کو دو قومی نظریہ کا نام دینا غلط ہے۔ اور دراصل یہ ہندو اور مسلم کی دو الگ الگ ملتوں کا نظریہ تھا۔

بشرطیکہ اسلامی نظام کم از کم اپنی بنیاد کی حد تک قائم ہو، اور جو کتاب و سنت کی دستوری حیثیت تسلیم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اقتدار کے لیے نہ تو فرد و جماعت کا تصور اسلامی ہے، اور نہ ہی اسلام اشتراکیت کی طرح یک جماعتی نظام کا قائل ہے۔ بلکہ اسلامی مملکت میں ایک طرف ملت کے افراد ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف انتظامیہ کے افراد، جن کے جملہ حقوق کتاب و سنت متعین کرتے ہیں، اور جن سے سرتابی کسی کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ کتاب و سنت کی روشنی میں راعی اور رعایا (افرادِ ملت اور انتظامیہ) بیعت کی صورت میں عہد و پیمان کرتے ہیں۔ جس کے بعد ہر فردِ ملت کے بنیادی حقوق کی ذمہ داری حاکم پر واجب ہو جاتی ہے۔ جبکہ کتاب و سنت کے دائرے میں فرد پر حاکم کی اطاعت بھی فرض ہوتی ہے۔

اسلام میں طلبِ اقتدار کی کیا حیثیت ہے؟ اس کی تعیین سُنّتِ رسول اللہ سے یوں ہوتی ہے کہ آپ اپنے جملہ خطوط میں، جو آپ نے اپنے دور کے غیر ملکی حکام کو لکھے، یہ الفاظ ضرور لکھوایا کرتے تھے:

"اَسْلِمْ تَسْلَمْ!"

کہ "مسلمان ہو جاؤ، تم مع اپنی حکومت کے سلامت رہو گے!"

چنانچہ بحرین وغیرہ کے حکام نے جب اسلام قبول کرنے سے قبل یہ شرط پیش کی کہ ہماری حکومت ہمارے پاس رہے گی، تو آپ نے اس شرط کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا اسلام بھی قبول کر لیا تھا ـــــ یاد رہے کہ اسلام جہاں بانی کے لیے نہیں آیا، بلکہ وہ حاملینِ اقتدار کو اللہ کی غلامی قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگِ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے نمائندہ جناب ربعی بن عامر سے جب فارسی فوجوں کے سردار نے پوچھا کہ "آپ پوری دنیا کو فتح کرنے کے لیے کیوں کھڑے ہو گئے ہیں اور آپ کے مقاصد کیا ہیں؟ تو ربعی بن عامر نے یہی جواب دیا تھا کہ "ہم لوگوں کو انہی جیسے انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ رب العالمین کی غلامی میں لانا چاہتے اور انسانیت کو ظلم و ستم کے شکنجے سے نکال کر انہیں امن و امان اور سکھ چین دینا چاہتے ہیں۔"

اس کے برعکس سیاسی جماعتوں کا وجود طلبِ اقتدار کے تصور پر قائم ہے۔ چنانچہ

اس کے لیے جہاں وہ اپنے بارے میں مبالغہ آمیز پروپیگنڈہ کرتی ہیں، وہاں دوسروں کی عیب جوئی بھی ان کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ حالانکہ اسلام کی نظر میں یہ دونوں فعل مذموم ہیں۔ اور قرآنِ مجید نے غلط کار لوگوں کے لیے ایسی تعریف، جس کے وہ مستحق نہ ہوں، قابلِ مذمت قرار دینے کے ساتھ ساتھ غیبت اور عیب جوئی پر بھی کڑی پابندی عائد کی ہے۔ اسلامی فلسفۂ تاریخ کی رُو سے مذہبی اور سیاسی گروہ بندیاں ناجائز تعصب اور ضد سے جنم لیتی ہیں۔ جیسے قرآنِ مجید نے "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" (باہمی سرکشی) سے منسوب کر کے، انتشار و افتراق کی بنیادی وجہ قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآنِ مجید نے فکری اور مذہبی گروہ بندی کو اللہ اور اس کے رسول ؐ سے بیزاری اور شرک کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۔" (الروم: ۳۱:۳۲)

کہ "مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ یعنی ان لوگوں میں سے کہ جنہوں نے اپنے دین کو تفرقہ کی بھینٹ چڑھا دیا اور گروہ بندیاں قائم کر لیں!"

نمائندہ وفاق : لیکن حدیث میں تو ہے کہ "میری اُمت کا اختلاف رحمت کا باعث ہے"؟

مدیرِ محدث : یہ حدیث من گھڑت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرامینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں، اختلاف و نزاع کو خیر و بھلائی کے اُٹھنے کا سبب بتایا گیا ہے۔ اور قرآنِ مجید نے اسے اللہ رب العزّت کے عذابوں میں سے ایک عذاب تبلایا ہے کہ لوگ گروہوں میں بٹ کر اپنی صلاحیتیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۔ الآیۃ" (الانعام: ۶۵)

کہ "اے نبی ؐ! آپ فرما دیجئے، تمہارا رب اس پر قادر ہے کہ عذاب تمہارے اوپر سے تم پر نازل کر دے، یا یہ تمہارے قدموں کے نیچے سے تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے تاکہ تم ایک

دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھ سکو!"

اس کے بالکل برعکس قرآنِ مجید نے اختلاف ونزاع سے نکل جانے اور باہمی اتحاد کو اللہ تعالیٰ کی نعمت بتلایا ہے ـــــ فرمایا:

"وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا"

(آلِ عمران: ۱۰۳)

کہ "اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو، کہ تم آپس میں دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی۔ اور اللہ کی اس نعمت کے سبب تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے!"

چنانچہ قرآن کریم نے جگہ جگہ جس اتمامِ نعمت کا ذکر فرمایا ہے، وہ مسلمانوں کا باہمی اتفاق و یگانگت بلکہ عالمگیر اتحاد ہے۔ جبکہ سیاسی جماعتیں اُمت میں انتشار کا باعث بننے کے علاوہ طرح طرح کی خرابیوں کو جنم دیتی ہیں، جن میں دھونس، دھاندلی کے ساتھ ساتھ نسلی، علاقائی اور مذہبی تعصبات کو بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے اقتدار کے لیے فتنہ وفساد اور کشت وخون کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ ہاں دھوکا دینے کے لیے اس کشت وخون کی نذر ہو جانے والوں کو "سیاسی شہید" کہہ کر پکارا جاتا ہے ـــــ درسگاہوں میں آج کی یہ ساری ہنگامہ آرائی، جو تعلیمی ضیاع کے علاوہ نوجوانوں کو تخریب کاری کی طرف بھی مائل کرتی ہے، اسی جتھہ بندی اور گروہ بندی کا نتیجہ ہے ـــــ مختصر یہ کہ وہ کام جو شیطان کرنا چاہتا ہے، سیاسی پارٹیاں اسے بخوبی انجام دیتی ہیں۔ اور قرآنِ کریم میں مذکور اس "ابلیسیت" کو کامیاب بناتی ہیں، جس کا مقصد وحید، انسانوں کو توحید پر جمع کر دینے کی بجائے، انہیں مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر دینا ہے۔ اللہ ہمیں ابلیس کی فریب کاریوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واضح رہے کہ جہاں تک کسی ملک میں انتظامی یونٹوں کا تعلق ہے، تو کوئی علاقہ یا ملک اپنی وسعت کے اعتبار سے کئی انتظامی وحدتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان کا باہمی ربط، وحدتِ ملت کی صورت میں قائم رہے گا۔ اسی طرح علمی، ادبی، سائنسی اور دیگر ملی خدمات کے بیشمار شعبے انجمنوں اور اداروں کی صورت میں قائم ہو سکتے ہیں

لیکن ان کی حیثیت فنی اور تکنیکی ہوگی ـــــ یہ نہ تو وحدتِ ملت کے تصور کے خلاف ہیں اور نہ ہی انہیں سیاسی جماعتوں یا پارٹیوں کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص اس لیے کہ جدید تصورِ سیاسیات کے مطابق، سیاسی جماعتیں اپنے اپنے اقتدار کی خاطر اپنا الگ الگ منشور لے کر میدانِ عمل میں اترتی ہیں۔ لہٰذا ان انتظامی یا فنی اداروں کو ان پر قیاس کرنا غلط ہوگا۔

سوال: اگر سیاسی جماعتیں موجود نہ ہوں گی، تو کسی اسلامی مملکت میں خلیفہ یا امیر کے چناؤ یا انتخاب کا طریقہ کیا ہوگا اور خلافت و حکومت کی تشکیل کیسے ممکن ہوگی؟

جواب: اسلام میں جملہ اہم انتظامی امور "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کے تحت باہمی مشاورت سے انجام پاتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انتخاب امیر کا ہوگا یا اصحابِ شوریٰ کا؟ تو میں بیان کر چکا ہوں کہ اسلام میں نظم و جماعت کا تعلق ملت سے وابستہ ہے۔ لہٰذا اسلام میں شوریٰ اور انتظامی بالادستی بھی ملت ہی سے اٹھتی ہے۔ بالفاظِ دیگر اسلامی مملکت کے حکام اور اصحابِ شوریٰ، ملی راہنما ہوا کرتے ہیں، جبکہ یہ ملی راہنمائی دین کی پختگی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عملی قرب کو مستلزم ہے۔ جس قدر کوئی شخص دیندار اور سنتِ رسول اللہ کے زیادہ قریب ہوگا، اسی قدر ملت میں اس کا مقام و مرتبہ بلند تر ہوگا ـــــ "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ" کا یہی مطلب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خلفاء اربعہ، جنہیں خلفائے راشدینؓ کہا جاتا ہے، سب کے سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ یعنی دنیا ہی میں انہیں جنت کی خوشخبری مل چکی تھی۔ لہٰذا ان کی ملی حیثیت بھی مسلّمہ تھی ـــــ چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے، شوریٰ کی تشکیل اور انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں جو مثالی کمیٹی تشکیل دی تھی، وہ اس سلسلہ میں ہمارے لیے راہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کمیٹی کے لیے، عشرہ مبشرہ ہی میں سے (سوائے حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعید بن زیدؓ کے، تاکہ اقربا پروری کا الزام آپؓ پر نہ آئے[1]) جملہ اصحاب کو نامزد

---

[1] یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی دلجوئی کے لیے لوگوں کو ان سے مشورہ لینے کی تلقین فرمائی تھی، تاہم انہیں خلیفہ بنانے سے روک دیا تھا۔

کیا گیا تھا۔ اور خلفائے راشدینؓ کا سارا انتخاب اور اس سلسلہ کے مشورہ جات انہی ملی راہنماؤں کے گرد گھوم رہے ہیں۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب شوریٰ بھی یہی لوگ تھے۔ خلفائے راشدینؓ کے انتخاب کے سلسلہ میں حصولِ مشورہ، یا کسی کو کوئی انتظامی عہدہ دینے کے لیے کبھی بھی کسی علاقہ یا آبادی کی نمائندگی کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ورنہ ضرور مدینہ کے علاوہ دیگر علاقوں سے بھی، آبادی یا نمائندگی کی بنیاد پر استصواب ہوتا اور تاریخ اسلامی بھی اس سلسلہ میں یوں خاموش نہ ہوتی! ——— البتہ عوام کے اعتماد کا خیال رکھنا کامیاب خلیفہ کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسلام حکام کے لیے، انسانوں کی بہبودی کی خاطر، دین اور اہل دین کا معتمد ہونا ضروری قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکام اور شوریٰ کے لیے ہمیشہ ملی راہنماؤں کو درجہ بدرجہ اہمیت دی جاتی رہی۔ مدینہ میں آبادی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ملی راہنما ہونے کی حیثیت سے جملہ اہم لوگ موجود رہتے تھے ——— حکام کا انتخاب بھی انہی میں سے ہوتا رہا اور اصحاب شوریٰ بھی یہی لوگ رہے۔

سرمایہ اور جاگیر کی بنیاد پر ملت کی راہنمائی اسلام تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی نسلی یا علاقائی نمائندگی اس کی بنیاد ہے، بلکہ اس کی بنیاد دین و ملت ہیں۔

مختصر یہ کہ ملی راہنما وہ ہیں جو زیادہ متقی، متدین اور سنتِ رسول اللہ سے قریب تر ہوں گے، یہی اصحابِ شوریٰ ہوں گے اور انہی میں سے خلیفہ کا انتخاب ہوگا۔

جہاں تک اصحاب شوریٰ اور خلیفہ کی باہمی مشاورت کا تعلق ہے، تو خلیفہ کے جملہ فیصلہ جات ملی راہنماؤں کے تجربات اور دلائل سے حاصل ہونے چاہئیں ——— کامیاب مشورہ وہی ہوتا ہے جو شوریٰ کے باہمی تبادلہ خیال سے مستنبط ہو ——— کسی مسئلہ میں اگر پوری کوشش کے باوجود اتفاقِ رائے نہ ہو سکے، تو امیر کو صاحبِ امر ہونے کی حیثیت سے اختیار حاصل ہے کہ وہ آخری فیصلہ کرے۔

سوال: کیا اسلام میں ریفرنڈم کی گنجائش موجود ہے؟

جواب: کسی اہم مسئلہ میں عوامی رائے معلوم کرنے کے لیے استصواب کی گنجائش اسلامی تعلیمات میں موجود ہے۔ تاہم عوامی رائے سے کتاب و سنت کی کسی تعبیر یا اسلامی مسلک کی تشریح پر صاد کروانے کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اجماع

صرف اجتہادی بصیرت رکھنے والوں کا کام ہوتا ہے جو کتاب و سنت کے ماہرین ہوں۔ ——— نہ کہ ان لوگوں کا جو ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی محض ہاتھ کھڑے کر سکتے ہوں۔

سوال: کیا آپ انصاری کمیشن کی رپورٹ سے متفق ہیں؟

جواب: انصاری کمیشن کی رپورٹ میں دراصل موجودہ مغربی نظاموں اور سیاسی جماعتوں کی خرابیوں کے پیش نظر ان کے مفاسد کو دور کرنے کی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ لیکن اسلام کے تنظیم و جماعت کے بنیادی تصور، جس پر اسلامی معاشرہ اور اسلامی سیاست کا انحصار ہے، کا کوئی منظم فکر اس میں موجود نہیں ہے، اور غالباً اس کمیشن کا دائرہ کار بھی یہ نہ تھا۔ بہر حال جب تک ملت کا اسلامی تصور پیش نظر نہ ہو، سیاست و حکومت کو مسلمان نہیں بنایا جا سکتا اور یہ کوششیں لاحاصل ہی ہوں گی ———

حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی خرابیوں کو دور کرنے اور اسے مسلمان بنانے کے لیے ہمارے ہاں انتخابات کا تصور اور اصلاحی تجاویز ایک موہوم خیال ہے۔ ہاں اگر حکومت کتاب و سنت کی بالادستی تسلیم کرے، تو اس کی روشنی میں اور اس کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکومت کی ساری خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔ ورنہ حکومت اگر شریعت کی بالادستی تسلیم نہیں کرتی۔ اور خود ساختہ قوانین یا اپنی مخصوص تعبیرات ہی کو اسلام کی حیثیت سے منوانا چاہتی ہے، تو اس کا واحد راستہ انتخابات کی بجائے جہاد ہے ——— یاد رہے کہ جہاد صرف قتال کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ تو طاقت کی موجودگی میں آخری طریقہ کار ہے ——— ورنہ انفرادی اصلاح سے لے کر معاشرے میں شریعت کی عملداری کے لیے کتاب و سنت کی روشنی میں کوشش کرنے کا نام بھی جہاد ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو بنیادی جذبہ کارفرما ہوتا ہے، وہ حکام اور عوام کی خیر خواہی ہے نہ کہ ذاتی اقتدار کا حصول! ——— ہاں اس راہ میں سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ انسان' فرد و معاشرہ کی اصلاح و فلاح کے لیے اپنی جان تک نذر کر دے۔

سوال: کیا پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کتاب و سنت سے متصادم ہوگا؟

جواب: پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کو، اسلام میں سیاسی پارٹیوں کے وجود کو تسلیم کر لینے کے بعد ہی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام

میں سیاسی اور مذہبی گروہ بندی جائز نہیں۔ ہاں مختلف امور انجام دینے کے لیے علمی، فنی اور تکنیکی انجمنیں تشکیل دی جاسکتی ہیں۔ جن کی حیثیت متنوع اداروں کی ہوگی۔ سیاسی جماعتوں یا مذہبی دھڑوں سے ان اداروں کا کوئی میل نہیں ہے۔ تاہم اگر یہی انجمنیں یا ادارے کسی وقت علم وفن سے الگ ہوکر جتھہ بندی شروع کردیں تو یہ بھی فی سبیل اللہ فساد پھیلانے کے زمرہ میں داخل ہوں گی۔ حتیٰ کہ قرآن کریم میں تو ایسی مسجد کو بھی، باوجود اس کے کہ مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت مسلمہ ہے، مسجد ضرار کا نام دیا گیا ہے جو گروہ بندی کا باعث بنے!! پھر ان سیاسی پارٹیوں کی کیا حیثیت ہے جو حصولِ اقتدار کے جنون میں نہ صرف اسلامی اصولوں سے روگردانی کرتی ہیں، بلکہ اُمت مسلمہ میں انتشار وافتراق کا باعث بھی بنتی ہیں۔ بالخصوص جبکہ حصولِ اقتدار کی خواہش بجائے خود بھی اسلام کی نظر میں نہ صرف ایک مذموم فعل ہے بلکہ بغاوت کے زمرہ میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت امیر معاویہؓ کی حصولِ اقتدار کی کوششوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی روشنی میں بغاوت سمجھا جاتا ہے ـــــ ہاں جب حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبردار ہوکر حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو اب امیر معاویہؓ خلیفۃ المسلمین قرار پائے۔ یاد رہے کہ جو لوگ آج بھی انہیں ملوکیت کا داعی یا بانی قرار دیتے ہیں، وہ نہایت غلطی پر ہیں۔ اس لیے کہ آپؓ، حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد متفقہ طور پر مسلمانوں کے خلیفہ قرار پائے تھے اور آپؓ کے ہاتھ پر منجملہ دیگر صحابہؓ کے، خود حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے بھی بیعت کی تھی۔ لہٰذا اگر وہ ملوکیت کے داعی یا بانی ہوتے تو یہ حضرات انہیں کبھی خلیفہ تسلیم نہ کرتے!! ـــــ اور یہیں سے یہ فرق واضح ہو رہا ہے کہ امیر معاویہؓ، جب اپنے عملی رویہ سے حضرت علیؓ کے بالمقابل اقتدار کے لیے کوشاں تھے، ان کی حیثیت باغی کی تھی۔ لیکن جب ان کو اقتدار دینا ہی مسلمانوں کی مصلحت قرار پایا، اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت حسنؓ نے مسلمانوں کی صلح کے خیال سے خلافت سے دستبرداری کے بعد پورا کردیا تو امیر معاویہؓ خلیفہ تسلیم کرلیے گئے۔ اور اب ان کی حیثیت باغی کے بجائے برحق خلیفہ کی تھی ـــــ گویا اقتدار حاصل کرنا اور اقتدار پر قائم ہونا، ان دونوں چیزوں کا حکم شریعت میں مختلف ہے۔ جب کوئی شخص

اقتدار پر قائم ہو تو اس وقت مسلمانوں کی خیر خواہی اور فتنہ انگیزی دو چیزیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ اور صاحب اقتدار کے لیے کم از کم شرائط' اولاً انفرادی طور پر مسلمان ہونا اور ثانیاً سیاسی طور پر کتاب وسنت کی دستوری حیثیت کو تسلیم کرنا، کافی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اندریں صورت اس کے خلاف فتنہ کھڑا کرنا اُمت کے لیے خیر خواہی نہیں ہوتی۔

(حافظ عبدالرحمان مدنی)

شعر و ادب

نعت

جناب اسرار احمد سہاوری

انہیں شامل تو کرلوں داستاں میں
یہ مشکل ہے کہاں وہ اور کہاں میں

تکلف برطرف یہ بات سچ ہے
نہیں ہوں نعت کے شایانِ شاں میں

رسائی اُن کی ہے عرشِ بریں تک
سیہ بخت و نصیبِ دشمناں میں

ادائیں حق کروں ان کی مدح کا!
نہیں ہے یہ میرے وہم و گماں میں

متاعِ کن فکاں کے وہ ہیں مالک
زکف بُردہ متاعِ رائیگاں میں

جہانِ آب و گِل کی بات کیا ہے
نہیں ان کا مقابل دو جہاں میں

ہے اُن کی آمد آمد کا قرینہ
جڑی وارفتگی ہے لامکاں میں

ستارے اُن کے جو زیرِ قدم تھے
سجائے ہیں کسی نے کہکشاں میں

تڑپ جائیں جسے سُن کر مسلماں
اثر اتنا تو ہے میری زباں میں

اُدھر دشمن ہوئے ہیں غرقِ آہن
ادھر ٹوٹی ہوئی ناقص کماں میں

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
نہیں کوئی محافظ کارواں میں

جہاں دل ساتھ دے قول و عمل کا
وہیں تاثیر آتی ہے زباں میں

غلامی ان کی راس آئی ہے اسرار
بنا ہوں ان کی مدحت کا نشاں میں

دارالافتاء

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی
حضرت مولانا سعید مجتبیٰ السعیدی

۱۔ چند متفرق سوالوں کے جوابات
۲۔ قربانی کے بعض مسائل

۱۔ بغیر وضوء قرآنِ پاک اور درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بلا وضوء قرآنِ مجید کی تلاوت جائز ہے۔ صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۰ پر ہے:

"اِسْتَیْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ یَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْھِہٖ بِیَدِہٖ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْاٰیَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَۃِ اٰلِ عِمْرَانَ۔"

کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے جاگے تو اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اس حالت میں کہ آپؐ اپنے چہرہ مبارک کو ہاتھوں سے ملتے ہوئے اس سے نیند کے اثرات کو مٹاتے تھے۔ پھر آپؐ نے سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں۔"

بلا وضوء درود شریف پڑھنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۴ کے ترجمۃ الباب میں ہے:

"کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ۔"

کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے!"

البتہ بلا وضوء قرآنِ مجید کو چھونا ناجائز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ" (سورۃ الواقعہ: ۷۹)

۲۔ بغیر وضوء دین کی باتیں کرنی جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: جائز ہیں۔ اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے کہ:

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ اَحْيَانِهٖ"

"آپؐ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے (ماسوائے چند استثنائی صورتوں کے) یہ حکم عام ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سبل السلام وغیرہ۔

۳۔ اگر درود شریف کی بے ادبی ہو جائے تو اس کا کیا حل ہے؟

جواب: درود شریف کی بے ادبی کا سوال غیر واضح ہے۔ اگر مقصود بلا وضو پڑھنا ہے، تو یہ جائز ہے۔ جیسے کہ اوپر گزرا۔ اور اگر مقصود یہ ہے کہ محلِ نجاست وغیرہ پر پڑھا گیا، تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیئے۔ صحیح بخاری میں قصۂ افک کے ضمن میں مذکور ہے کہ:

"فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبٍ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ"

"انسان جب اپنے گناہ کا اعتراف کرے، پھر توبہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں"!

۴۔ اگر کوئی آدمی قبر کے عذاب سے بچ جاتا ہے تو کیا وہ دوزخ کے عذاب سے بھی بچ جائے گا؟

جواب: ہاں! ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ اس میں جزاء سزا کا اصل تعلق جنت اور دوزخ سے ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب الجنائز۔

۵۔ اگر سر کے بال قینچی سے چھوٹے کروا لیے جائیں، مشین نہ لگائی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں! سر کے بال صرف ترشوانے جائز ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

"لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ" (سُوْرَةُ الفتح: ۲۷)

کہ "اگر اللہ نے چاہا تو تم مسجدِ حرام میں بلا خوف و خطر ضرور داخل ہو گے اپنے سروں کو منڈوائے ہوئے یا ترشوائے ہوئے"۔

(حافظ ثناء اللہ مدنی)

۲- قربانی کے بعض مسائل

۱- کیا قربانی صوم وصلوٰۃ کی طرح فرض ہے؟ مال و دولت ہونے کے باوجود قربانی نہ کرنا کفر ہے؟ گناہِ کبیرہ ہے؟ گناہِ صغیرہ ہے؟

۲- دو دانت بکری، بکرا یا گائے خریدنے کی طاقت ہونے کے باوجود بغیر دو دانت کا مینڈھا یا دنبہ قربانی کرنا جائز ہے؟

۳- جانور کا دو دانت والا ہونا قربانی کی شرط ہے۔ کیا مینڈھا یا دنبہ اس شرط سے مستثنیٰ ہیں؟

۴- ایک گائے میں قربانی کے سات حصے ہیں، کیا ایک گائے میں سات لڑکیوں کے عقیقے ہو سکتے ہیں؟

۵- ایک گائے میں کچھ حصے قربانی کے، اور کچھ حصے عقیقے کے ادا ہو سکتے ہیں؟ مثلاً آج کل عید کی آمد آمد ہے۔ اگر عید سے کچھ دن پہلے کسی کے گھر لڑکا یا لڑکی پیدا ہو جائے تو وہ قربانی کی گائے میں عقیقے کا حصہ لے سکتا ہے؟ کیا اس طرح عقیقہ ادا ہو جائے گا؟

(سائل نصیر الدین، کوٹ چھٹہ ضلع ڈیرہ غازیخان)

جوابات

۱- قربانی شعائرِ اسلامیہ میں سے ہے۔ اسے اگرچہ صوم وصلوٰۃ کی طرح فرض نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اسلامی شعار ہونے کی بنا پر اس کی اہمیت اور حیثیت مسلّم ہے اگر کوئی شخص اس کی مشروعیت ہی کا انکار کر دے تو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور بوجہ سستی و غفلت ترک کرنے والا عاصی اور گناہ گار ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

"إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْأُضْحِيَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ فَقَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ فَأَعَادَهَا

عَلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْقِلُ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ ؟" (جامع الترمذی ۲۵۸/۲)

"ایک شخص نے ابن عمرؓ سے قربانی کے متعلق پوچھا، "کیا یہ واجب ہے؟" آپؓ نے جواباً فرمایا کہ "اللہ کے رسولؐ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔" سائل نے بار بار سوال دہرایا تو آپؓ نے فرمایا، "اس بات کا مفہوم سمجھتے ہو، کہ آنحضرتؐ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ (یعنی تمہارا اس کے وجوب و عدم وجوب کا سوال بے معنی ہے)!"

اسی طرح ترمذی ہی میں ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور قربانی کرتے رہے۔"

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قربانی سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس کے تارک کے لیے احادیث میں وعید بھی آئی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ "جو شخص صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔" (ابن ماجہ) پس قربانی کا تارک گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

۲-۳: قربانی کا جانور خواہ اونٹ ہو، خواہ گائے، خواہ بکری بھیڑ، ان سب کا دو دانتا ہونا شرط ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

"لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ۔" (الحدیث)

کہ "مسنہ یعنی دو دانتے جانور کے سوا کوئی جانور ذبح نہ کرو۔ ہاں اگر جانور کم ہوں یا نہ ملتے ہوں تو بھیڑ کا جذعہ یعنی کھیرا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے۔"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کا دو دانتا ہونا شرط ہے۔ بھیڑ، دُنبا، مینڈھا وغیرہ کا کھیرا جانور مجبوری کی صورت میں قربان کیا جا سکتا ہے۔

۴-۵: ایک گائے میں سات لڑکیوں کے عقیقے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ احادیث میں عقیقہ کا بیان یوں آیا ہے، کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف

سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ اس حدیث کی روشنی میں محدثین وفقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ مذکر کی طرف سے دو جانیں اور لڑکی کی طرف سے ایک جان ذبح کی جائے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تحفۃ الودود باحکام المولود۔ نیز اسلاف میں سے ہمارے علم کے مطابق کسی سے یہ بات ثابت نہیں کہ کسی نے ایک جانور میں کچھ حصے قربانی کے اور کچھ حصے عقیقے کے مقرر کیے ہوں۔ اور ہمارے علم کے مطابق اسلاف میں سے کسی قابل ذکر شخصیت سے گائے وغیرہ جانور میں متعدد حصص بطورِ عقیقہ مقرر کرنا بھی ثابت نہیں۔ ھٰذا مَا عِنْدِیْ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بالصواب!

سعید مجتبیٰ السعیدی

بے لوث خدمت

مسلک اہلحدیث سے

تعلق رکھنے والے حضرات اپنے لڑکے اور لڑکیوں

کے معیاری رشتوں کے سلسلہ میں ہم سے رجوع فرمائیں

آپ کی خدمت کیلئے کوشاں

رائے محمد اشرف بھٹی برادر مولوی محمد اسماعیل بھٹی خادم جامع مسجد اہلحدیث،

امین پور بازار

چمڑہ منڈی فیصل آباد

مقالات

مولانا عبدالرحمٰن عزیز اللہ آبادی

قسط ۲ (آخری)

شہادتِ حسینؓ

شیعہ سُنّی تاریخ کے آئینہ میں

حضرت حسینؓ کا سفر:

اِدھر کوفہ میں یہ صورتِ حال تھی، اُدھر حضرت حسینؓ کی خدمت میں اہلِ کوفہ کے خطوط، قاصدوں کے تقاضے، بیعت کی ظاہری کثرت، اور جان چھڑکنے کے زبانی وعدے، یہ سب حسین خواب تھے۔ چنانچہ حضرت حسینؓ نے اہلِ کوفہ کی خواہش پوری کرنے کے لیے کوفہ روانہ ہونے کا ارادہ کرلیا۔ مگر اکابرین اہلِ علم و تقویٰ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارثؒ، حضرت عبداللہ بن مطیعؓ، حضرت عمر بن عبدالرحمٰنؒ، حضرت ابوواقد لیثیؓ، حضرت جابرؓ انصاری، اور حضرت ابوسعید الخدریؓ نے بہت روکا، حضرت محمد بن حنفیہؒ تو (حضرت حسینؓ کا ارادہ خروج الی الکوفہ) سن کر رو پڑے۔

(بحوالہ روضۃ الاصفیاء مطبوعہ لاہور ص ۲۵۲)

مزید برآں روانگی کے وقت بعض نے "اَسْتَوْدِعُكَ مِنْ قَتِيْلٍ" کہا یعنی "اے شہید، ہم تجھے خدا کو سونپتے ہیں" اور بعض نے کہا:

"لَوْلَا الشَّنَاعَةُ لَاَمْسَكْنَاكَ وَمَنَعْنَاكَ مِنَ الْخُرُوْجِ"

یعنی "اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپؓ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز نہ جانے دیتے۔" (منہاج السنۃ لامام ابن تیمیہؒ ص ۱۴۱/۲ و ص ۱۴۲/۲)

ان سب سے بڑھ کر حضرت حسینؓ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے متعدد بار روکا مگر حضرت حسینؓ کوفہ روانگی پر مصر تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ نے زینبؓ کو طلاق دے دی اور ان سے اکلوتا بیٹا چھین لیا۔ مگر امام صاحب کے پائے ثبات متزلزل نہ ہوسکے۔

الغرض حضرت حسینؓ بجانبِ کوفہ روانہ ہوئے۔ قادسیہ سے تین میل دور جب ثعلبیہ منزل پر پہنچے، تو حر بن یزید تمیمی آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ "خدارا واپس لوٹ جایئے حالات بہت ہی ناسازہیں۔ کوفہ میں خیریت اور بھلائی نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔" چنانچہ حضرت حسینؓ نے یہ خبر سنتے ہی اپنے جانثاروں کو اکٹھا کیا اور ایک مبسوط خطبہ ارشاد فرمایا:

"بَلَغَنِیْ خَبَرُ قَتْلِ مُسْلِمٍ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ لَقِیْطٍ وَقَدْ خَذَلَتْنَا شِیْعَتُنَا فَمَنْ اَحَبَّ مِنْکُمُ الْاِنْصِرَافَ فَلْیَنْصَرِفْ فِیْ غَیْرِ حَرَجٍ لَیْسَ عَلَیْہِ زِمَامٌ۔" (خلاصۃ المصائب مطبوعہ نولکشور ص ۵۶)

کہ "مجھے مسلم بن عقیلؓ اور عبداللہ بن لقیط کی شہادت کی خبر مل چکی ہے۔ اور ہمارے شیعوں نے ہم سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ پس تم میں سے جو واپس جانا چاہے بلاروک ٹوک واپس جاسکتا ہے۔"

المختصر سبطِ رسولؐ نے واقعات کی رفتار کے پیشِ نظر واپس لوٹنے کا مکمل ارادہ کرلیا اور سمجھ لیا کہ کوفیوں سے وفاداری کی امید رکھنا ریت سے تیل نکالنے کے مترادف ہے۔ مگر حضرت مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں اور رشتہ داروں نے کہا کہ ہم اپنے مظلوم بھائی کے ناحق خون کا بدلہ لیں گے۔ اور اپنی رگوں کے خون کا آخری قطرہ بہانے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ امام صاحب یہ سن کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(طبری ص ۲۱۷، ابن خلدون ص ۲۵، جلاء العیون ص ۴۶۳)

ابن سعد اور حضرت حسینؓ کی گفتگو:

عبیداللہ بن زیاد نے قتلِ مسلمؓ اور بغاوتِ اہلِ کوفہ سے فارغ ہوکر حضرت حسینؓ سے مبارزت کے لیے اسّی ہزار کا لشکر عمرو بن سعد بن ابی وقاصؓ کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ ادھر حضرت حسینؓ بھی بڑھتے بڑھتے سرزمینِ کربلا میں خیمہ زن ہوئے۔ اس وقت آپؓ کے ساتھ پینتالیس ۴۵ سوار اور ایک سو ۱۰۰ پیادے تھے، بعضوں نے ایک ہزار ۱۰۰۰ سوار لکھا ہے۔ (تصویرِ کربلا)

آپؓ نے عمرو بن سعد سے ملاقات کی اور فرمایا کہ آپ مجھے چھوڑدیں میں واپس چلا جاؤں، یا کسی سرحد پر چلا جاؤں، یا مجھے براہِ راست یزید کے پاس جانے دو۔ (طبری)

ناسخ التواریخ ص ۱۷۵)

ابن سعد نے اس آخری شرط کو قبول کیا۔ شیعہ کتب میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ چنانچہ شریف المرتضیٰ المتوفی ۴۳۶ھ کتاب الشافی میں رقمطراز ہیں کہ:

"رُوِیَ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعْدٍ اخْتَارُ وَامِنِّیْ اِمَّا الرُّجُوْعَ اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ اَقْبَلْتُ مِنْهُ اَوْ اَنْ اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِ یَزِیْدَ فَهُوَ ابْنُ عَمِّیْ لِیَرٰی فِیْ رَأْیِهٖ وَاِمَّا اَنْ اَسِیْرَ اِلٰی ثَغْرٍ مِّنْ ثُغُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاَکُوْنَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِهٖ۔"

(کتاب الشافی ص ۲۷۱)

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعد کے سامنے تین تجویزیں پیش کیں۔

(۱) میں جہاں سے آیا ہوں واپس لوٹ جاؤں۔

(۲) یا براہِ راست یزید کے پاس چلا جاؤں، وہ میرا چچازاد بھائی ہے، وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم کرے گا۔

(۳) یا مسلمانوں کی کسی سرحد پر چلا جاؤں اور وہیں کا باشندہ بن جاؤں۔"

صاحب الامامۃ والسیاسۃ نے بھی "اَنْ اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِ یَزِیْدَ" کا اضافہ کیا ہے (ابن اثیر ص ۲۸۳/۳ طبع بیروت، ابن کثیر ص ۱۷۰/۸، سیوطی ص ۱۴۰)

نیز طبری میں یہ الفاظ ہیں:

"اَنْ اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِ یَزِیْدَ بْنِ مُعَاوِیَةَ فَیَرٰی فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ رَأْیَهٗ"

یعنی "میں براہِ راست یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دوں، وہ جو مناسب سمجھے گا میرے ساتھ کرے گا!" (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے طبری طبع بیروت، جلد سوم ص ۲۳۵، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۱۷۰/۸، اصابہ طبع مصر ص ۳۳۴/۱، مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر ص ۳۲۵/۴ و ص ۳۳۷/۴)

جب ابن زیاد کے سامنے یہ تجویز ابن سعد نے پیش کی تو اس نے کہا کہ "جب تک حسینؓ آپ نے آپ کو میرے حوالے نہیں کرتے اس وقت تک کوئی بات قابلِ تسلیم نہیں۔"

اس پر آپؓ نے فرمایا، "وَاللّٰہِ الْعَظِیْمِ! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے آپ کو ابنِ زیاد کے حوالے کر دوں۔" اس پر جنگ شروع ہو گئی۔

حادثۂ کربلا:

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے ـــــ یہ مٹھی بھر پاک باز جماعت ان ظالموں کی کثرت کا مقابلہ نہ کر سکی۔ آپؓ کے خاندان کے سترہ نوجوانوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ پھر خود بھی جگر گوشۂ بتولؓ بنتِ رسولؐ تلوار لے کر میدانِ جنگ میں تادمِ آخر مبارزت کرتے رہے۔ بالآخر جامِ شہادت نوش فرما کر مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ سرِ مبارک ابنِ زیاد کے پاس لایا گیا تو ابنِ زیاد نے آپؓ کے حُسن کی مذمت کرتے ہوئے دانتوں پر چھڑی ماری۔ حضرت انسؓ اور حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے فرمایا، "چھڑی دہنِ مبارک سے ہٹاؤ، خدا کی قسم ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی دہنِ مبارک متعدد بار چومتے دیکھا ہے۔" (تاریخ طبری جلد سوم جزء ۶ صفحہ ۲۲۰)

قاتل کے اشعار:

قاتل جب سرِ مبارک کو دربارِ یزید میں لے کر گیا تو اس نے فخریہ یہ اشعار پڑھے ؎

اِمْلَأْ رِکَابِیْ فِضَّۃً وَّذَھَبَا ۔۔۔ اِنِّیْ قَتَلْتُ الْمَلِکَ الْعَجَبَا

قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ اُمًّا وَّاَبَا ۔۔۔ وَخَیْرَھُمْ اِذْ یُنْسَبُوْنَ نَسَبَا

یعنی میں نے تمام مخلوق میں سے، ماں باپ اور حسب و نسب کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ و افضل شخص کو قتل کیا ہے، لہٰذا میرے اونٹ پر سونا چاندی لاد دو!

تو یزید نے کہا "خدا تیرے رکاب کو آگ سے بھرے اور خدا تجھے غارت کرے، باوجود اس شخص کا اعلیٰ مقام ہونے کے تُو نے اس کو کیوں قتل کیا؟ میرے دربار سے نکل جا، تجھے کوئی انعام نہیں ملے گا۔"

(ناسخ التواریخ ص ۳۶۹)

بعض روایات میں ہے کہ یزید نے کہا:

"لَعَنَ اللّٰہُ ابْنَ مَرْجَانَۃَ اَمَا وَاللّٰہِ لَوْ کَانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْحُسَیْنِ رَحِمٌ لَمَا قَتَلَہٗ۔" (منہاج السنۃ)

"ابنِ زیاد پر خدا کی پھٹکار ہو، خدا کی قسم اگر وہ خود حسینؓ کا رشتہ دار ہوتا تو انہیں ہرگز قتل نہ کرتا۔"

ناسخ التواریخ میں ہے کہ شہادتِ حسینؓ کی اطلاع جب زحر بن قیس نے امیر یزید کو دی تو یزید نے کہا:

"قَدْ اَرْضٰی عَنْ طَاعَتِکُمْ بِدُوْنِ قَتْلِ الْحُسَیْنِ اَمَا لَوْ کُنْتُ صَاحِبَهٗ لَعَفَوْتُ عَنْهُ۔"

(ناسخ التواریخ ص۲۶۹، البدایہ والنہایہ ص۸)

کہ "میں قتلِ حسینؓ کے بغیر اہلِ عراق کی اطاعت سے خوش تھا۔ اگر میں خود میدانِ کربلا میں ہوتا تو حسینؓ کو ضرور معاف کر دیتا۔"

(مزید معلومات کے لیے دیکھئے، خلاصۃ المصائب، احتجاج طبرسی، جلاء العیون اور ناسخ التواریخ)

اہلِ بیت کا قافلہ بحالتِ خستہ جب دربارِ یزید میں پہنچا تو یزید رو پڑا.....

"وَکَانَ فِیْ یَدِهٖ مِنْدِیْلٌ فَجَعَلَ یَمْسَحُ دُمُوْعَهٗ فَاَمَرَهُمْ اَنْ یَّحَوَّلْنَ اِلٰی هِنْدٍ بِنْتِ عَامِرٍ فَاُدْخِلْنَ عِنْدَهَا فَسَمِعَ مِنْ دَاخِلِ الْقَصْرِ بُکَآءً وَّ نِدَآءً۔"

(خلاصۃ المصائب نولکشور مطبوعہ ص۳۰۲)

"..... اور اس کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے اپنے آنسو صاف کرتا تھا۔ پھر اس قافلہ کو ہند بنت عامر کے پاس بھیج دیا۔ جب اہلِ بیت محل میں پہنچے تو گریہ زاری اور آہ و بکا کی آواز سنائی دی۔"

نیز جلاء العیون میں ہے کہ یزید نے اہلِ بیت اور زین العابدینؒ کو بعزت و احترام اپنے گھر میں جگہ دی اور صبح و شام امام زین العابدینؒ کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔

قاتلینِ حسین کون لوگ تھے؟

رہا یہ سوال کہ قاتلینِ حسین کون لوگ تھے؟ تو گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ بلانے والے ہی حضرت حسینؓ کے قاتل تھے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی جلاء العیون میں رقمطراز ہیں کہ جب شیعانِ کوفہ سلیمان بن صرد الخزاعی کے پاس مشورہ کے لیے آئے

تو سلیمان نے ان سے کہا کہ تم ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہو۔ ان کو خط لکھ کر بلا لو۔ اس پر شیعوں نے کہا کہ جب وہ اس شہر کو اپنے نورِ قدم سے منور فرمائیں گے تو ہم سب بقدمِ اخلاص ان کی بیعت کریں گے۔ (جلاء العیون ص ۳۴۰)

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ کوفیوں کے بارہ ہزار خطوط حضرت حسین رضؓ کی خدمت میں جمع ہو چکے تھے۔ علامہ مجلسی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

"اور جب مبالغہ و اصرار ان کا از حد ہوا اور متعدد قاصد حضرت کے پاس پہنچ گئے، حضرت نے ان کے آخری خط کا جواب لکھا کہ "یہ خط حسین بن علی کا مومنوں مسلمانوں شیعوں کی طرف ہے۔" (جلاء العیون ص ۴۳۱)

اور کوفیوں کے آخری خط کا متن یہ ہے کہ:

"جمیع شیعان مؤمنین و مسلمین اہلِ کوفہ کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علیؓ بن ابی طالب واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں۔ آپ ہماری طرف توجہ فرمایئے۔ ہم سب آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور نعمان بن بشیر حاکم کوفہ نہایت ذلیل و خوار دارالامارت میں بیٹھا ہے۔ ہم جمعہ و عیدین وہاں پڑھنے نہیں جاتے۔" (ایضاً ص ۴۳۰)

چنانچہ امام حسین رضؓ جب کوفہ پہنچے تو شیعانِ کوفہ نے اپنی غداری و مکاری کو ظاہر کیا۔ حضرت امام حسین رضؓ نے مرسلہ خطوط ان کو دکھائے۔ مگر وہ جفا کار اپنی بے شرمی سے باز نہ آئے۔ تو امام حسین رضؓ کو مجبوراً کہنا پڑا کہ "ہمارے شیعوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا رکھا ہے۔" (جلاء العیون ص ۴۵۲، ص ۴۵۳)

نیز امام صاحب نے فرمایا "تمہارے ارادوں پر لعنت ہو۔"

"اے بے وفایانِ جفا کار تم نے شمشیر مجھ پر کھینچی۔"

آخر کار انہی شریر النفس لوگوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ——— رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ!

(خلاصہ از جلاء العیون ص ۴۶۸، ص ۴۶۹)

ھٰذَا مَا عندی واللہ اعلم بالصواب!

تحقیق وتنقید

اکرام اللہ ساجد

قسط ۴ (آخری)

عورت، پردہ اور اسلامی تعلیمات

پروفیسر وارث میر، معرفت روزنامہ "جنگ" کے نام!

اوپر آزاد عورت اور لونڈی کے احکام ستر وحجاب میں فرق کے جو دلائل ہم نے ذکر کئے ہیں، ان سب میں اس فرق کے علاوہ، آزاد عورت کے اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کا ثبوت بھی واضح اور بیّن ہے! ——— اب ہم وہ دلائل نقل کرتے ہیں جن کا تعلق براہِ راست اسی مسئلہ سے ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۱۸، اور تفسیر جامع البیان للطبری ص ۳۳/۲۲ طبع مصر پر ہے:

"قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَمَرَ اللهُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ فِي حَاجَةٍ أَنْ يُغَطِّينَ وُجُوهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِنَّ بِالْجَلَابِيبِ وَيُبْدِينَ عَيْنًا وَاحِدَةً"

"حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ اپنے گھروں سے کسی ضرورت کے تحت نکلیں تو چادروں سے اپنے سروں کے اوپر سے چہروں کو ڈھانپ لیں اور (صرف) ایک آنکھ کو ظاہر کریں۔"

تفسیر جامع البیان للطبری ہی کے محولہ بالا صفحہ پر ہے:

"عَنِ ابْنِ سِيرِينَ سَأَلْتُ عُبَيْدَةَ عَنْ قَوْلِهِ (قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ

قَالَ فَقَالَ بِثَوْبِهٖ فَغَطّٰى رَأْسَهٗ وَ وَجْهَهٗ وَاَبْرَزَ ثَوْبَهٗ
عَنْ اِحْدٰى عَيْنَيْهِ ــــ انتھٰی!"

(تھوڑے سے اختلافِ الفاظ کے ساتھ یہی بات تفسیر ابنِ کثیر میں بھی ہے)

"ابنِ سیرین کہتے ہیں، میں نے عبیدۃ (بن حارث حضرمی) سے فرمانِ الٰہی (قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ۔ الخ) کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے (مجھے سمجھانے کی غرض سے) اپنے کپڑے سے سر اور چہرے کو ڈھانپ لیا اور اپنی ایک آنکھ سے کپڑا ہٹا دیا۔"

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ بیضاوی رقمطراز ہیں:

"اَیْ یُغَطِّیْنَ وُجُوْهَهُنَّ وَ اَبْدَانَهُنَّ بِمَلَاحِفِهِنَّ اِذَا بَرَزْنَ لِحَاجَةٍ۔" (ص۲۵۲/۲ طبع مصر)

یعنی "جب وہ کسی ضرورت کے لیے باہر نکلیں تو اپنے چہروں اور بدن کو کپڑے سے ڈھانک لیں۔"

علامہ ابوبکر الجصاص لکھتے ہیں:

"فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْمَرْاَةَ الشَّابَّةَ مَاْمُوْرَةٌ بِسَتْرِ وَجْهِهَا عَنِ الْاَجْنَبِیِّیْنَ ۔ الخ!"

(احکام القرآن ص۳۷۲/۳ طبع بیروت)

"اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نوجوان عورت اپنے چہرے کو اجنبی مردوں سے چھپانے کی پابند ہے!"

تفسیر ابوالسعود جلد ۴ صفحہ ۴۲۳ پر ہے کہ:

"وَمَعْنَى الْاٰیَةِ اَیْ یُغَطِّیْنَ بِهَا وُجُوْهَهُنَّ وَاَبْدَانَهُنَّ اِذَا بَرَزْنَ لِدَاعِیَةٍ مِّنَ الدَّوَاعِیْ!"

"اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ عورتیں جب کسی ضرورت کی خاطر (گھروں سے) باہر نکلیں تو اپنے چہرے اور بدن ڈھانپ لیں!"

مدینہ منورہ یونیورسٹی کے پہلے شیخ التفسیر، علامہ محمد امین شنقیطی مرحوم اپنی مایۂ ناز تفسیر اضواء البیان کے صفحہ ۵۹۶/۶ پر اسی آیت (یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ

جَلَابِيبِهِنَّ)" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اَنَّ الْمُرَادَ بِهَا يَدْخُلُ فِيهِ سَتْرُ الْوَجْهِ وَ تَغْطِيَتُهُ عَنِ الرِّجَالِ وَ اَنَّ سَتْرَ الْمَرْاَةِ وَجْهَهَا عَمَلٌ بِالْقُرْاٰنِ"

"(مذکورہ آیت) سے مراد یہ ہے کہ اس حکم میں چہرے کا پردہ اور اجنبی مردوں سے اس کا ڈھانپنا داخل ہے۔ اور عورت کے چہرے کا پردہ قرآن پر عمل کرنا ہے۔"

علاوہ ازیں سورۃ الاحزاب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" (آیت: ۵۳)

"(اے مومنو) ازواج النبیؐ سے جب کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو!"

یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ چہرے کا پردہ ضروری ہے۔ ورنہ "مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" کی قید نہ لگائی جاتی ——— یاد رہے کہ یہ وہی ازواجؓ النبیؐ ہیں، جنہیں قرآنِ مجید میں مومنوں کی مائیں کہا گیا ہے:

"وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ!" (الاحزاب ۶)

کہ "نبیؐ کی ازواج مطہراتؓ، مومنوں کی مائیں ہیں!"

اور اگر ان کے سلسلہ میں بھی یہ پابندی ضروری ہے، تو عام مسلمان عورتیں اس حکم میں بالاولیٰ داخل ہیں ——— چنانچہ اسی سورہ میں تھوڑا آگے چل کر آیت ۵۹ میں ازواجؓ النبیؐ اور بناتؓ النبیؐ کے ساتھ ساتھ عام مومنوں کی عورتوں کو بھی پردہ کا حکم دیا گیا ہے ——— اور یہ وہی آیت ہے، جس کی تفسیر میں ہم مفسرین کے متعدد اقوال نقل کر آئے ہیں، یعنی:

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ——— الآية!" (الاحزاب: ۵۹)

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ:

"قرآنِ مجید کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی خود ہی تفسیر کرتا ہے۔ قرآن کے اکثر اجمالات کی تفصیل خود قرآن ہی میں مل جاتی ہے۔ پردے اور ستر کے مختلف قرآنی احکام میں استعمال ہونے والے الفاظ بھی ایک دوسرے کی خود ہی توضیح کر دیتے ہیں!"

لہٰذا ان کے اسی موقف کی روشنی میں ہم ان کو توجہ دلائیں گے کہ "يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ" کا حکم ازواجؓ النبیؐ، بناتؓ النبیؐ اور نساء المؤمنین سب کے لیے مشترک ہے۔ پھر قرآن کے اس حصہ کی تفسیر ——— یا اس اجمال کی تفصیل ——— خود قرآنِ مجید یوں بیان فرما رہا ہے کہ مومن اگر ازواجؓ النبیؐ (اپنی ماؤں سے بھی) کوئی چیز پردے کے پیچھے سے طلب کرنے کے مکلف ہیں، اور جس کا لازمی نتیجہ جسم سمیت چہرے کا پردہ ہے، تو عام مسلمان عورتیں از خود اس حکم میں داخل ہو کر اجنبی مردوں سے اپنے چہرے چھپانے کی پابند ٹھہرتی ہیں۔

یہیں سے "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ کہ قرآنِ مجید کی رُو سے جب عورتیں اپنے چہروں کو اجنبی مردوں سے چھپانے کی پابند ہیں، تو پھر اس استثناء اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد چہرے اور ہاتھ کیونکر ہو سکتے ہیں؟

——— پروفیسر صاحب نے خود لکھا ہے کہ "قرآنِ مجید کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی خود ہی تفسیر کرتا ہے" ——— لہٰذا اگر عورت کے چہرے کو پردے سے مستثنیٰ سمجھ لیا جائے، تو اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ قرآنِ مجید خود ہی ایک مقام پر کوئی حکم دے کر، دوسرے مقام پر اس کی تردید کر دیتا ہے۔ جو ہمارے علاوہ پروفیسر صاحب کے نقطۂ نظر سے بھی غلط ہے۔ لہٰذا صحیح بات وہی ہے جو انہوں نے بریکٹ میں لکھی ہے کہ:

("ایسی زینت ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جو خود ظاہر ہو جائے")

چنانچہ ایسی زینت جو خود بخود ظاہر ہو جائے، اس زینت سے بہت مختلف ہے جو دانستہ ظاہر کی جائے ——— بالفاظ دیگر عورتوں کو اپنی زینت کے دانستہ

اظہار یعنی سرخی پوڈر سے آراستہ ہو کر اس کی نمائش سے احتراز کرنا چاہیئے۔ نہ کہ کھلے سر، جیکٹیں اور چست پتلونیں پہن کر وہ کھیل کے میدانوں میں آوارد ہوں، تاکہ روزنامہ "جنگ" کے صفحہ اول پر ان کی شرمناک تصویریں چھپ کر اس کی اشاعت میں "قابل قدر" اضافہ کا باعث بن سکیں! ——— پروفیسر صاحب، ہم نے اپنے مضمون کی قسط دوم میں جس خدشہ کا اظہار کیا تھا، وہ پورا ہو گیا ہے، اب تو شاید آپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا!

——— ہاں وہ زینت جو ناچار ظاہر ہو جائے، مثلاً چادر یا نقاب کا ہوا سے اڑ جانا اور اس کے نتیجے میں زینت کا اظہار ہو جانا ——— یا ایسی زینت جس کا چھپانا ممکن ہی نہیں ہے، جیسے وہ چادر یا برقع، جو عورت کے جسم پر ہوتے کی وجہ سے بہر حال اپنے اندر ایک کشش رکھتا ہے، اس پر مؤاخذہ نہیں ہے ——— گویا قرآنِ مجید واضح طور پر "ظاہر کرنے" سے روک کر "ظاہر ہوتے" کے معاملے میں رخصت دے رہا ہے جسے "ظاہر کرتے" کی حد تک وسعت دے دینا قرآنِ مجید کے بھی خلاف ہے، پروفیسر صاحب کی بریکٹ کے بھی خلاف، اور ان روایات کے بھی مخالف، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں حکم حجاب آجانے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں۔ چنانچہ فتح الباری ص ۴۰۶/۳ پر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"تَسْدُلُ الْمَرْأَةُ جِلْبَابَهَا مِنْ فَوْقِ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا"

کہ "عورت اپنی چادر کو اپنے سر کے اوپر سے اپنے چہرے پر لٹکاتی ہے"

ترمذی کتاب الادب، مسند احمد ص ۲۹۶/۶، ابوداؤد مع عون جلد چہارم صفحہ ۱۰۹ پر ہے:

"عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ مَيْمُوْنَةُ فَأَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ وَذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلَيْسَ أَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمْيَا وَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ"

"حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میں اور حضرت میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ آئے۔ اور یہ آیاتِ حجاب

کے نزول کے بعد کی بات ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا "ان سے پردہ کرو!"
——— ہم نے کہا، "اللہ کے رسولؐ، وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھتے ہیں نہ پہچانتے ہیں" آپؐ نے فرمایا، تم دونوں تو نابینی نہیں، کیا تم اسے دیکھتی نہیں؟"

غور فرمایئے، مرد کے عورت کو دیکھنے کی نسبت، عورت کا مرد کو دیکھنا کم فتنے کا باعث ہے ——— جبکہ یہاں معاملہ ایک جلیل القدر نابینا صحابیؓ کا ہے۔ اور دیکھنے والی بھی ازواج مطہراتؓ، امہات المومنین ہیں، چنانچہ فتنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے ——— اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کو بھی نہ صرف اس کی اجازت نہیں دی، بلکہ "اِحْتَجِبَا مِنْهُ" کے الفاظ سے حکماً انہیں نابینا صحابی سے بھی پردے کا پابند کیا ہے ——— پھر آج کل کی صاحبزادیاں، جو دوپٹے سے بھی بے نیاز ہو چکی ہیں، کس شمار و قطار میں ہیں؟ ——— فَتَدَبَّرْ وَتَفَكَّرْ!

بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، نکاح سے قبل، جس عورت سے نکاح کرنا ہو، اسے ایک نظر دیکھ لینے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں حضرت محمد بن مسلمہؓ کی روایت ہے کہ "میں نے ایک عورت کو شادی کا پیغام دیا اور اسے چھپ چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا، تا آنکہ اسے اس کے باغ میں دیکھ لیا۔ کسی نے اعتراض کیا تو فرمایا، "نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مومن کے دل میں کسی عورت سے شادی کا خیال آجائے تو اسے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں!"

(موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان ص ۳۰۳ طبع مصر)

یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ اس وقت مسلمان عورتیں منہ چھپا کر اور پردہ کر کے باہر نکلا کرتی تھیں۔ ورنہ مردوں کو شادی کے لیے، عورت کے دیکھ لینے کی خصوصی اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور چہرے کا پردہ نہ ہونے کی صورت میں وہ اکثر نظر آتی رہتیں ——— لیکن یہ چہرے کا پردہ ہی تھا کہ محمد بن مسلمہؓ کو مذکورہ عورت کے دیکھنے کے لیے یوں محنت کرنا پڑی!

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"یَا عَلِیُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ"

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی۔ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۳/۲ طبع دمشق)

"اے علیؓ، اچانک نظر پڑ جانے کے بعد دوسری مرتبہ نہ دیکھنا، ہاں پہلی نظر معاف ہے"!

اگر چہرہ پردے میں داخل ہی نہیں، تو صرف پہلی اچانک نظر معاف ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟[1] ——— ظاہر ہے کہ اس حدیث میں بھی چہرہ دیکھنے سے ہی منع کیا جا رہا ہے ——— یا کیا پروفیسر صاحب کے خیال میں عورت کو لباس پہننے ہی کی ممانعت ہے؟

بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے، دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے، لگاوٹ کی باتیں کرنا زبان کا زنا ہے، آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے، ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لیے چلنا ہاتھ پاؤں کا زنا ہے ——— بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں، تب شرمگاہیں یا تو اس کی تکمیل

---

[1] واضح رہے کہ "پہلی نگاہ معاف ہونے" کا معنیٰ ہرگز یہ نہیں ہے کہ "چہرہ پردے میں داخل نہیں، ہاں اصل حکم غضِ بصر یعنی نگاہ بچا لینا ہے" ——— "اچانک نگاہ" کے الفاظ اس مفہوم کی تردید کرتے کے ساتھ ساتھ اصل مفہوم واضح کر رہے ہیں کہ چہرے کا پردہ عموماً رائج ہونے کے باوجود ایسے مواقع پیش آسکتے ہیں جب اچانک کسی مرد اور عورت کا سامنا ہو جائے یا گھر میں موجود عورت کا چہرہ بھی کبھی کبھار نظر آجانا ناممکنات میں سے نہیں۔ لہٰذا محض غضِ بصر کا حکم اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عورت کے کھلے منہ پھرنے کو مستلزم ہے۔ مذکورہ بالا، مفسرین کی آراء اور احادیث سے ہمارے اس مفہوم کی تائید ہو رہی ہے ——— علاوہ ازیں مسلمان عورتوں میں پردہ رائج ہونے کے باوجود معاشرہ میں غیر مسلم عورتیں بھی ہو سکتی ہیں جو بے پردہ ہوں گی لہٰذا غضِ بصر کا حکم دیا گیا!

کر دیتی ہیں، یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔"

(صحیح بخاری ص ۶۷ طبع مصر)

اس حدیث سے چہرے کا پردہ ثابت ہونے کے علاوہ ——— دیدہ بازی، غیر مردوں سے گپ شپ لڑانا، عورت کی نغمہ سرائی اور مرد و زن کا آزادانہ اختلاط (بالفاظِ دیگر مردوں کے "دوش بدوش" کام کرنا) ——— سب تمہیدِ زنا کے ذیل میں آتے ہیں ——— فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا، "اچانک نگاہ پڑ جائے تو کیا کروں؟" ——— آپؐ نے فرمایا، "فوراً نگاہ پھیر لو یا نیچی کر لو!" (مسلم، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی بحوالہ المنتقیٰ مصری ص ۴۹۹ ج ۲)

بدیہی امر ہے کہ مرد کی نگاہ سامنے عورت کے چہرے پر ہی پڑے گی (بشرطیکہ پروفیسر صاحب جلباب اوڑھنے کے واقعی قائل ہوں) کیونکہ چہرے کا پردہ نہ ہونے کی صورت میں ایک چہرہ ہی تو ننگا ہوگا، جسے دیکھنے سے منع کیا جا رہا ہے!

سنن ابی داؤد کتاب الجہاد میں ہے۔ قیس بن شماس کہتے ہیں کہ امِ خلاد نقاب پہن کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنے مقتول بیٹے کے متعلق پوچھنے کے لیے آئیں۔ تب بعض صحابہؓ نے حیرت زدہ ہو کر ان سے فرمایا:

"جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنِ ابْنِكِ وَأَنْتِ مُتَنَقِّبَةٌ؟"

کہ "آپ نقاب پہن کر اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھتی ہیں (حالانکہ بیٹے کی ایسی خبر سن کر تو ایک ماں کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتا، اور آپ اس اطمینان کے ساتھ باپردہ ہو کر آئی ہیں؟)"

تو انہوں نے جواب دیا:

"إِنْ أُزْرَأْ ابْنِيْ فَلَنْ أُزْرَأْ حَيَائِيْ!"

کہ "میں نے اپنا بیٹا قربان کیا ہے، اپنی حیا تو قربان نہیں کی!"

اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ کلام ہے، تاہم اسے دیگر صحیح احادیث کی تائید کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں واقعہ افک کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ:

"جنگل سے واپس آکر جب میں نے دیکھا کہ قافلہ چلا گیا ہے، تو میں بیٹھ گئی اور نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہیں پڑ کر سو گئی۔ صبح ہوئی تو صفوان بن معطل سلمیؓ ادھر سے گزرے اور دور سے دیکھ کر ادھر آ گئے:

فَعَرَفَنِي حِينَ رَآنِي وَكَانَ قَدْ رَآنِي قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ عَرَفَنِي فَخَمَّرْتُ وَجْهِي بِجِلْبَابِي!"

"چنانچہ وہ دیکھتے ہی مجھے پہچان گئے کہ نزولِ حجاب سے قبل مجھے دیکھ چکے تھے۔ اس پر انہوں نے "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" پڑھا۔ اس (آواز) سے میری آنکھ کھل گئی۔ تو میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانک لیا۔"

بخاری اور مسلم کی (متفق علیہ) یہ حدیث مسند احمد، تفسیر ابن جریر اور سیرت ابن ہشام میں بھی موجود ہے۔ یہ سے دیکھ لینے کے بعد (خط کشیدہ الفاظ مزید قابلِ توجہ ہیں) کسی بھی مسلمان کے لیے چون و چرا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ——— مزید یہ دیکھئے کہ قرآنِ مجید میں "يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ" کا حکم ازواج النبیؐ، بناتُ النبیؐ اور نساء المؤمنین سب کے لیے ہے، جبکہ اس حدیث نے جلباب کی تعریف اور اس کا مصرف (بدن کے علاوہ۔ چہرہ) بھی بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ "فَخَمَّرْتُ وَجْهِي بِجِلْبَابِي" (میں نے اپنے جلباب سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا) کے الفاظ انتہائی واضح اور صریح ہیں! ——— اب یہ پروفیسر صاحب ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ بڑے دھڑلے سے یہ لکھتے ہیں کہ:

"جلباب نزدیک کرنے کا حکم چہرہ چھپانے کا حکم نہیں ہے۔ اور اسلام نے عورتوں کو اجازت دی ہے کہ بوقتِ ضرورت چہرہ کھول کر باہر جائیں آئیں!"

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"سلف کا طریقۂ تفسیر یہ رہا ہے کہ قرآن سے مشورہ کرنے کے بعد بھی کوئی مشکل باقی رہ جاتی تو اس کا حل رسولِ خدا کے اقوال و افعال سے تلاش

کرتے۔ تیسرے مرحلہ پر صحابہؓ کے آثار و اقوال سے رہنمائی لیتے۔ کیونکہ یہی لوگ قرآنِ مجید کے پہلے مخاطب تھے اور قرآن کے رموز و حقائق بخوبی سمجھتے تھے۔"

چنانچہ ہم نے سلف کی تفسیروں کے اقتباسات، رسولِ خدا کے ارشادات اور صحابہؓ کے آثار و اقوال باحوالہ نقل کر دیئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر پروفیسر صاحب خود بتائیں کہ جلباب نزدیک کرنے کا حکم چہرہ چھپانے کا حکم ہے یا نہیں؟ —— اب اگر ان دلائل کا انہیں علم نہیں تھا تو یہ دین سے ناواقفیت ہے، اس صورت میں انہیں یہ مسائل چھیڑنے ہی نہیں چاہئیں تھے —— اور اگر علم تھا، اس کے باوجود یہ سب کچھ لکھا، تو یہ کتاب و سنت سے بغاوت ہے! —— جہاں تک ان کی تحریروں کا تعلق ہے، تو ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ہی چیزیں ان کے ماتھے کا جھومر ہو کر رہ گئی ہیں —— چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ:

"قرآن و حدیث کی من مانی یا جامد تعبیرات کا سہارا لے کر اور خدا کے غضب کے ٹوٹ پڑنے کا خوف دلا کر پڑھنے لکھنے والے لوگوں کو چپ کرانے کا دور لد گیا ہے۔ مسلمان آزاد ہوئے تو اقبال کے خواب کے مطابق اسلام اور قرآن بھی آزاد ہو گیا ہے۔ اور اب اسلام کو سمجھنے کے لیے اس کے معاشی و معاشرتی فلسفے کو سمجھنے کی کوشش کرنی ہو گی!"

—— جہاں تک جامد تعبیرات کا تعلق ہے، تو نصوص کی موجودگی میں تعبیرات کی اجازت ہی نہیں، اور اگر نصوص کو جامد ہونے سے مطعون کیا جائے تو من مانی اسی کا نام ہے —— اور اپنے ایمان سے کہئے پروفیسر صاحب، آپ نے قرآن و حدیث کی من مانی تعبیرات کی ہیں یا نہیں؟ ایک تو اس لیے کہ نصوص پر آپ نے "جامد تعبیرات" کا طعن کیا۔ اور دوسرے اس لیے کہ، آپ بات تو کرتے ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں عورت کے چہرے کے پردہ کی، لیکن سفارش کرتے ہیں، عورت کے کھیل کے میدان میں اتر کر ہنر آزمانے کی! —— دلیل یہ نہیں کہ کتاب و سنت کے فلاں مقام پر یہ اجازت موجود ہے، بلکہ دلیل یہ کہ "آخر چین کی کھلاڑی خواتین کے لباس پر کس کو اعتراض ہو سکتا ہے"؟ —— سو وہ آپ ہی نے نہیں، اخبار "جنگ" کے رنگین صفحہ پر ملک بھر کے

لوگوں نے دیکھ لیا ہے! ـــــ پروفیسر صاحب، سچ بتایئے، اس لباس پر آپ کو واقعی کوئی اعتراض نہیں ہے؟ ـــــ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو بخدا یہ لباس تو ہم آپ کی بہن یا بیٹی کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتے، کیونکہ ہمارے لیے وہ بھی بیٹی یا بہن ہی کا درجہ رکھتی ہے! ـــــ اور اگر یہ آپ کے نزدیک بھی شرافت کے منہ پر تھپڑ ہے، تو دیگر مسلمانوں کو آپ نے بے غیرت اور دیوث کیوں تصور کر لیا ہے، جن کی بہنوں اور بیٹیوں کے لیے آپ نے "اصولی باتوں" کی آڑ میں یہ سفارش کی ہے؟ ـــــ آپ کو اگر خدا کے غضب کے ٹوٹ پڑنے کا خوف نہیں ہے، تو بڑے شوق سے، لیکن دوسروں کو تو اس سے معاف ہی رکھیں! ـــــ جو ابھی مادر پدر آزاد نہیں ہوئے، ان کو دینِ اسلام کا کچھ تو پابند رہنے دیں ـــــ نیز کیا آپ کے نزدیک اقبال کا خوابِ آزادی "شترِ بے مہار" ہونے کا دوسرا نام تھا؟ ـــــ جو دنیا سے چلے گئے، خدارا ان کو تو گالی نہ دیں! ـــــ ہم تو جس اقبال کو جانتے ہیں، وہ یہ کہا کرتا تھا کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است!

جبکہ آپ کے اسلام کو، جسے صرف معاشی اور معاشرتی فلسفے کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے، اس دین سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے!

ـــــ یہ تو بات تھی بغاوت کی، اب ہم چاہتے ہیں کہ "علم و حکمت" کے جو خزانے آپ نے لٹائے ہیں، ذرا ان کا بھی ایک نظر جائزہ لے لیا جائے ـــــ آپ نے لکھا ہے کہ:

۱۔ "جب عورت نماز میں چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھے گی اور باقی بدن ڈھانک لے گی تو معلوم ہوا کہ ہاتھ اور چہرہ پردے میں شامل نہیں ہیں ....
... پھر جو چیز پردہ میں شامل نہیں، ان کا کھولنا حرام کس طرح ہو سکتا ہے؟"

ـــــ بہت خوب، یعنی پروفیسر صاحب کے نزدیک عورت، یا تو چین کی کھلاڑی خواتین کے لباس سے سند لے، اور یا پھر نماز بھی برقع اور نقاب پہن کر پڑھے! ـــــ پروفیسر صاحب، آپ کو کون یہ بتائے کہ نماز عورت، بازار یا دفتر میں

نہیں پڑھتی، اپنے گھر میں پڑھتی ہے یا مسجد میں ایسی جگہ، جہاں پردے کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ نماز کے لیے ستر ڈھانکنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ حجاب کی ضرورت عورت کو گھر سے باہر، یا نامحرموں کی نگاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے پیش آتی ہے ـــــ کیا آپ کو ستر اور حجاب کا فرق بھی معلوم نہیں؟ ـــــ "پڑھنے لکھنے والے لوگوں کو چپ کرانے کا دور (تو خیر) لد گیا ہے" اس لیے کہ وہ اپنے "کمپیوٹر عہد کی خوش فہمیوں میں مبتلا کسی کی سنتے ہی نہیں، اور کسی کی زبان کون پکڑ سکتا ہے؟ مگر یہ "پڑھنے لکھنے والے" کچھ تو سوچ سمجھ کر بات کیا کریں ـــــ چند موٹی موٹی باتیں ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں، شاید آپ کی سمجھ میں آجائیں کہ ستر اور حجاب میں بہت دُور کا فرق ہے۔ چنانچہ ستر ڈھانکنا عورت اور مرد دونوں پر فرض ہے، جبکہ حجاب مرد کے لیے نہیں، صرف عورت کے لیے ہے ـــــ ستر، مرد صرف اپنی بیوی کے سامنے، اور عورت صرف اپنے شوہر کے سامنے کھول سکتی ہے، جبکہ حجاب کا تعلق عورت کے گھر سے باہر نکلنے یا ان لوگوں کے سامنے آنے سے ہے، جن سے عورت کے غیر منکوحہ ہونے کی صورت میں اس کا نکاح جائز ہے ـــــ ہاں جن سے نکاح بہر حال جائز نہیں اور جنہیں قرآنِ مجید نے گن کر بتلا دیا ہے، ان کے سامنے حجاب کی ضرورت نہیں، صرف ستر ڈھانکنا ضروری ہے۔ لہٰذا عورت، گھر میں ان لوگوں کے سامنے جب نماز پڑھے گی یا مسجد میں باپردہ جگہ پر، تو اسے چہرہ اور ہاتھ چھپانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی نماز کے اس مسئلہ سے حجاب پر استدلال کیا جا سکتا ہے! ـــــ واضح رہے کہ پردہ اردو لفظ ہے جو ستر اور حجاب دونوں پر بولا جا سکتا ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے نماز کے ضمن میں لفظ پردہ بول کر چونکہ ستر اور حجاب کو خلط ملط کر دیا ہے اور اسی لیے ٹھوکر کھائی ہے، اس لیے ہم نے ستر اور حجاب کا فرق بتلانے کے ساتھ ساتھ اصل صورتِ حال بھی ان کے سامنے واضح کر دی ہے۔

۲۔ پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

"رسول اللہ نے حج کے لیے احرام باندھنے والی عورت کو دستانے اور نقاب پہننے کی ممانعت فرما دی۔ اگر عورت کا چہرہ اور اس کے

ہاتھ واقعی ستر کے حکم میں داخل ہوتے تو رسولِ خدا کبھی احرام کی حالت میں ان کو سِلے ہوئے کپڑے سے ڈھانکنا حرام قرار نہ دیتے!"

پروفیسر صاحب، کاش آپ اس حدیث پر معمولی سا غور فرما لیتے تو بات آپ کی سمجھ میں آجاتی ____ اور وہ یہ کہ ممانعت کی یہ ضرورت آخر کیوں پیش آئی؟ اسی لیے ناکہ حکمِ حجاب آجانے کے بعد مسلمان عورتوں نے نقاب پہننا اپنا معمول بنا لیا تھا؟ ____ ورنہ اگر آپ کا مذکورہ بالا خیال درست ہوتا کہ "جلباب نزدیک کرنے کا حکم چہرہ چھپانے کا حکم نہیں ہے" تو کون نقاب پہنتا اور کون منع کرتا؟ ____ یہ حدیث تو بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے لیے نقاب پہننا ضروری ہے ____ ہاں اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احرام کی مخصوص حالت میں اس سے منع فرمایا ہے تو آپ کو اس پر اعتراض کیوں ہے؟ ____ آپ نے "اجتہاد" کا آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے تو یہ آسان سی بات بھی سمجھ جائیے کہ عام حالات میں عورت اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کی پابند ہے۔ لیکن احرام کی حالت میں پابند نہیں، لہٰذا اس مخصوص حالت کو عام حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ____ چنانچہ روائع البیان جلد دوم صہ ۳۸۴ پر ہے:

"فَهٰذَا وَاَمْثَالُهٗ كَثِيْرٌ مِّنْ اَقْوَالِ مَشَاهِيْرِ الْمُفَسِّرِيْنَ يَدُلُّ دَلَالَةً وَّاضِحَةً عَلٰى وُجُوْبِ سَتْرِ الْوَجْهِ وَ عَدَمِ كَشْفِهٖ اَمَامَ الْاَجَانِبِ، اَللّٰهُمَّ اِلَّا اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَاطِبًا، اَوْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ فِيْ حَالَةِ اِحْرَامٍ بِالْحَجِّ. فَاِنَّهٗ وَقْتُ عِبَادَةٍ وَّ الْفِتْنَةُ مَاْمُوْنَةٌ، فَلَا يُقَاسُ عَلٰى هٰذِهِ الْحَالَةِ كَمَا يَفْعَلُ بَعْضُ الْجَهَلَةِ الْيَوْمَ، حَيْثُ يَقُوْلُوْنَ اِذَا جَازَ لَهَا اَنْ تَكْشِفَ عَنْ وَّجْهِهَا فِيْ حَالَةِ الْاِحْرَامِ فَمَعْنَاهُ اَنَّهٗ يَجُوْزُ لَهَا اَنْ تَكْشِفَ فِيْ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَوْقَاتِ لِاَنَّ الْوَجْهَ لَيْسَ بِعَوْرَةٍ فَهٰذَا كَلَامُ مَنْ لَّمْ يَفْقَهْ شَرِيْعَةَ الْاِسْلَامِ:"

کہ "یہ اور اس جیسے مشہور مفسرین کے بہت سے اقوال اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ عورت کے لیے اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ چھپانا اور اس کا نہ کھولنا واجب ہے۔ ہاں البتہ پیغام نکاح اور احرام حج کی حالت میں چہرہ کھلا رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ عبادت کا وقت ہوتا ہے جس میں فتنہ کا ڈر نہیں ہے۔ لہٰذا اس حالت پر قیاس کر کے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ دیگر اوقات میں بھی چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے۔ جیسا کہ آج کل بعض جاہل لوگ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے لوگوں کا کلام ہے جو شریعتِ اسلام کو نہیں سمجھتے۔"

اسی روائع البیان کے صفحہ ۱۵۴/۲ پر ہے کہ:

"وَاَمَّا عَوْرَةُ الْمَرْاَةِ بِالنِّسْبَةِ لِلرَّجُلِ فَجَمِيْعُ بَدَنِهَا عَوْرَةٌ عَلَى الصَّحِيْحِ وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ وَقَدْ نَصَّ الْاِمَامُ اَحْمَدُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ فَقَالَ وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الْمَرْاَةِ عَوْرَةٌ حَتَّى الظُّفُرِ"

"صحیح یہی ہے کہ عورت کا سارا بدن ہی عورت ہے۔ اور شوافع اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔ بلکہ امام احمدؒ تو فرماتے ہیں کہ عورت کے ناخن بھی پردے میں داخل ہیں۔"

المغنی ابن قدامہ ص ۵۵۹/۶ پر ہے کہ:

"قَالَ اَحْمَدُ لَا يَاْكُلُ مَعَ مُطَلَّقَتِهٖ هُوَ اَجْنَبِيَّةٌ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا، كَيْفَ يَاْكُلُ مَعَهَا يَنْظُرُ اِلٰى كَفِّهَا لَا يَحِلُّ لَهٗ ذٰلِكَ"

"امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "آدمی اپنی مطلقہ کے ساتھ کھانا بھی نہ کھائے، کیونکہ وہ اس کے لیے اجنبی بن چکا ہوتا ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کی طرف دیکھے ——— وہ کیسے اس کے ساتھ کھا سکتا ہے جبکہ اس کی ہتھیلیوں پر اس کی نظر پڑے گی، جو اس کے لیے

حلال نہیں ہے"؟

——— پروفیسر صاحب، آپ تو کہتے تھے کہ:

"ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ چہرہ اور ہاتھ وہ اعضاء ہیں جن کو اس آیت (اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) میں مستثنیٰ کیا گیا ہے!"

چنانچہ اس "اتفاق" کی ایک جھلک تو آپ نے ملاحظہ فرمالی، کہ شوافع کے نزدیک عورت کا پورا بدن پردہ میں داخل ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ تو اپنی مطلقہ کے ساتھ اس کے سابقہ شوہر کو بھی کھانا کھانے کی اجازت نہیں دیتے، مبادا اس کی نظر اس کی ہتھیلیوں پر پڑے جو اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ان کے نزدیک عورت اپنے ناخن بھی اجنبی مردوں سے چھپانے کی پابند ہے۔

قارئین کرام، ہم ذرا دُور نکل گئے، بات ہو رہی تھی حالتِ احرام میں عورت کے نقاب اور دستانے نہ پہننے کی! ——— سو اس مخصوص حالت میں وہ چہرہ اور ہاتھ چھپانے کی پابند نہیں ہے، لیکن صحابیاتؓ کو دیکھئے کہ وہ اس پابندی نہ ہونے کے باوجود اس سلسلہ میں احتیاط فرماتی تھیں۔ چنانچہ مسند احمد، بیہقی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ (بحوالہ حاشیہ منتقی ابن الجارود ص ۱۶۹ طبع مصر) میں روایت ہے کہ:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٍ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ"

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حالتِ احرام میں تھیں۔ جب لوگوں کے قافلے ہمارے قریب سے گزرتے تو ہم اپنی چادریں سروں کے اوپر سے اپنے چہروں پر ڈال لیتیں۔ اور جب لوگ گزر جاتے تو چہرے کھول لیتیں!"

——— رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین!

۳۔ پروفیسر صاحب نے اپنے موقف کے اثبات میں ——— (جو نامعلوم کیا ہے؟ کیونکہ وہ کتاب وسنت سے بھی استدلال کرتے ہیں، اور مغربیت سے

بھی سند لاتے اور اس کا پرچار کرتے ہیں ـــــ پھر مغربیت ہی سے "سو بار الحذر" کی صدائیں بھی بلند کرتے ہیں) ـــــ محلّٰی ابن حزم کے حوالے سے نسائی کی ایک روایت ذکر کی ہے کہ "حجۃ الوداع میں قبیلہ خثعم کی ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوئی۔ اس وقت فضل بن عباسؓ حضورؐ کی سواری پر، آپؐ کے پیچھے سوار تھے۔ عورت خوبصورت تھی۔ فضل عورت کو تکنے لگے اور عورت فضل کو دیکھنے لگی۔ حضورؐ نے فضل کا منہ دوسری طرف کر دیا۔"

جس سے پروفیسر صاحب نے استدلال کیا ہے کہ:

"گویا آیتِ حجاب نازل ہونے کے بعد بھی مسلمان عورتیں کھلے چہرے کے ساتھ زندگی کی جدوجہد میں حصہ لیتی تھیں۔"

معاف فرمایئے گا پروفیسر صاحب، آپ نے خود بتایا ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے ـــــ یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔ اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ عورت اس وقت حالتِ احرام میں تھی۔ زندگی کی عام جدوجہد میں حصہ نہیں لے رہی تھی، عبادت میں مصروف تھی۔ لہٰذا چہرہ چھپانے کی مکلف نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فضل بن عباسؓ کا چہرہ دوسری طرف کر دیا۔ کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے ـــــ اور کیا آپ کو معلوم ہے پروفیسر صاحب، کہ دیکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھیں ہی دی ہیں جو چہرے پر ہوتی ہیں! ـــــ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "عورت خوبصورت تھی" لہٰذا یہ بھی چہرے ہی کا معاملہ ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہنا فتنہ کا باعث بن سکتا تھا۔ عورت چونکہ محرم تھی، اس لیے حضورؐ نے فضل بن عباسؓ کا منہ دوسری طرف پھیر دیا! ـــــ افسوس، آپ نے ہمارا واقعہ درج کیا مگر یہ سبق حاصل نہ کیا کہ فتنے کا بڑا محرک عورت کا چہرہ ہے، ہاں اس کے بجائے یہ لکھا کہ:

"انسانی فطرت کے اظہار کے مختلف طریقوں کا غیر جذباتی تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ جنسی جذبات کے بھڑکانے میں چہرہ طاقتور محرک نہیں ہے!"

ـــــ ایک مرتبہ پھر معذرت پروفیسر صاحب، ہمیں آپ کے جذباتی یا غیر جذباتی تجزیوں کی کوئی ضرورت نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ہمیں اس

کی نسبت بہت زیادہ عزیز ہے، بہت ہی زیادہ ——— فللہ الحمد!

۴۔ پروفیسر صاحب نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"رسولِ خدا نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا بدن کے دوسرے حصوں کو ستر تصور کرنے کی ہدایت فرمائی!"

——— المنتقی (ج ۲ ص ۵۰) اور سنن ابی داؤد کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اس میں چار علتیں ہیں:

(ا) خالد بن دُرَیک نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے بیان کی ہے۔ جبکہ خالد بن دُرَیک کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے۔

(ب) اس کی سند میں سعید بن بشیر ابو عبدالرحمان البصری مولیٰ بن النظر ہے، جو ضعیف ہے اور اس کی روایت قابلِ احتجاج نہیں۔

(ج) سند میں قتادہ ہے جو مدلّس ہے اور روایت "عَنْ" سے کی ہے ——— مدلّس کا "عنعنہ" غیر مقبول ہے۔

(د) ابو احمد جرجانی فرماتے ہیں، میرے علم کے مطابق اس حدیث کو قتادہ سے صرف سعید بن بشیر نے روایت کیا ہے ——— لہٰذا غریب ہے۔

مزید یہ کہ امام ابوداؤد نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد خود ہی اس پر جرح کی ہے (ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۸۳) ——— پس یہ حدیث ناقابلِ استدلال ہے۔

۵۔ پروفیسر صاحب نے سبیعہ اسلمیہ کا واقعہ درج کیا ہے کہ:

"وہ حاملہ تھیں، ان کے شوہر فوت ہو گئے ——— ابو سنابل بن بعلک ان کے گھر گئے اور انہیں بناؤ سنگھار میں دیکھ کر کہا کہ تو چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے ہی نکاح کا ارادہ رکھتی ہے ..... (پروفیسر صاحب لکھتے ہیں): "اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عہدِ رسالت کا پردہ، آج کے مروجہ برقع سے مختلف تھا۔"

——— پروفیسر صاحب نے یہاں بھی آدھی بات لکھی ہے۔ اور کیوں نہ ہو، نہ اصل

حدیث ان کے سامنے تھی نہ اصل واقعہ! ـــــ معاملہ درحقیقت یہ ہے کہ ابوسنابل بن بعلک نے سبیعہ اسلمیہ کو وضع حمل کے بعد نکاح کا پیغام دیا تھا (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲۰ صـ۳۰۴) ۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل سے پوری ہو جاتی ہے، خواہ وہ ۴ ماہ دس دن سے کم ہو ـــــ اور ہم ذکر کر آئے ہیں کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہو، اسے دیکھ سکتا ہے۔ شرعاً کوئی منع نہیں! ـــــ لہٰذا پروفیسر صاحب کا اس حدیث سے پردہ اور مروجہ برقع وغیرہ پر استدلال باطل ہے! ـــــ واضح رہے کہ یہ حدیث محمد بن مسلمہؒ کی مذکورہ بالا روایت کے معارض نہیں، چھپ کر دیکھ لے یا بتا کر، دونوں طرح جائز ہے۔

ـــــ رہی بات بناؤ سنگھار کی تو روایات میں صراحت موجود ہے کہ یہ بناؤ سنگھار اسی غرض سے تھا۔

۶۔ پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

"حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے ایک واقعہ (بخاری) سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں نقاب یا برقع پہنے بغیر کام کاج کرتی تھیں"۔

ـــــ پروفیسر صاحب، آپ "اجتہاد" کر رہے ہیں یا تحریک استقلال کی غیر مستقل مزاجی پر مضمون لکھ رہے ہیں؟ جس کے لیے "جیسی روح ویسے فرشتے"، ہونا کافی ہے ـــــ کوئی بات تو باحوالہ لکھی ہوتی، صحیح بخاری میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی!

۷۔ اسی انداز سے، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ ہی کا ایک اور واقعہ، پروفیسر صاحب نے درج کیا ہے کہ:

"ان کے خاوند کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اور وہ اپنے خاوند زبیرؓ کی زمین کے اس ٹکڑے میں سے، جو حضورؐ نے ان کو دے رکھا تھا، اپنے سر پر گٹھلیوں کی گٹھڑی اٹھا کر لایا کرتی تھیں ـــــ الخ" (ملخصاً)

ـــــ باپردہ رہ کر وہ یہ کام کر سکتی تھیں، اور پورے واقعہ میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ وہ باپردہ نہ ہوتی تھیں ـــــ اس حدیث کو پردہ نہ کرنے کی دلیل کے طور پر ذکر کرنا ہماری سمجھ میں تو آیا نہیں، شاید پروفیسر صاحب کچھ روشنی ڈال سکیں ـــــ حوالہ ہم

آپ کو بتلائے دیتے ہیں، یہ واقعہ صحیح بخاری کتاب النکاح باب الغیرہ میں مذکور ہے۔ اب اس میں سے ایسے الفاظ تلاش کر کے مطلع فرمانا پروفیسر صاحب کا کام ہے کہ وہ باپردہ نہ رہ کر یہ کام کرتی تھیں ـــــ ہم منتظر رہیں گے!

۸۔ پروفیسر صاحب نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ:

"ہم میں سے ایک عورت تھی، جو اپنے کھیت کی نالیوں میں چقندر بوتی تھی۔ جمعہ کے دن چقندر کی جڑیں نکال کر انہیں ہنڈیا میں ڈال کر پکاتی تھی اور اس میں مٹھی بھر جَو کا آٹا پیس کر ڈال دیتی تھی ..... ہم ہر جمعہ کی نماز کے بعد اس کو سلام کرتے، وہ یہ کھانا ہمارے سامنے لاتی اور ہم چٹ کر جاتے۔"

ـــــ اس حدیث میں بھی یہ کہاں مذکور ہے کہ وہ عورت صحابہؓ سے پردہ نہ کرتی تھی۔ پردہ کر کے بھی یہ کھانا کھلایا جا سکتا ہے ـــــ اگر میر صاحب کا اس واقعہ سے استدلال درست ہے تو ایسے الفاظ پیش فرمائیں جن میں یہ صراحت ہو کہ وہ عورت صحابہؓ سے پردہ نہ کرتی تھی، ورنہ پردہ نہ کرنے کے دلائل میں یہ واقعہ بھی بے محل ہوگا۔

امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو "بَابُ إِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ" [جب جمعہ کی نماز ہو چکے تو زمین میں (کام کاج وغیرہ) کے لیے پھیل جاؤ] کے تحت ذکر کیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کو سمجھنے میں اس کے ابواب کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ امام صاحب کا اس حدیث کو صحیح بخاری میں درج کرنے سے مقصد بالکل مختلف ہے۔ جبکہ شارح صحیح بخاری، صاحب عمدۃ القاری نے اس حدیث سے عورتوں کو سلام کہنے کی اجازت، دعوت قبول کرنے، خواہ وہ حقیر ہی کیوں نہ ہو، ـــــ اور قناعتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، نیز دنیا سے ان کی بے رغبتی پر استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۲۵۲) ـــــ جبکہ میر صاحب پورے دینِ اسلام ہی کو معاشی فلسفے کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں!

۹۔ میر صاحب نے ایک زبردست لطیفہ ہمیں سنایا ہے ـــــ ڈاکٹر حمید اللہ

کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں :

"حضرت امِ ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک انصاری عورت تھیں جو بہت پہلے ایمان لائیں ..... جنگِ بدر (۲ھ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ میں اسلام کے دشمنوں سے جنگ کرنا چاہتی ہوں۔ ان کے متعلق ایک اور روایت ہے جو اس سے بھی زیادہ علمی اور عملی دشواریاں پیدا کرے گی۔ وہ یہ کہ حضرت امِ ورقہ رضؓ کو رسول اللہ نے ایک مسجد کا امام مامور فرمایا تھا۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد، مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے۔ اور یہ بھی کہ ان کے پیچھے مرد بھی نماز پڑھتے تھے۔ اور یہ کہ ان کا مؤذن ایک مرد تھا۔ ظاہر ہے کہ مؤذن بھی بطور مقتدی ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شاید ابتدائے اسلام کی بات ہو اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منسوخ کر دیا ہو۔ لیکن اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امِ ورقہ رضؓ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک زندہ رہیں اور اپنے فرائض انجام دیتی رہیں۔"

——— پروفیسر صاحب، دینِ اسلام تو بہت آسان ہے جو کتاب و سنت سے عبارت ہے۔ لہٰذا روایات ہی اگر علمی اور عملی دشواریاں پیدا کرنے لگیں تو یہ اُمت بیچاری کیا کرے گی؟ ——— ہاں یہ تسلیم کیجیے کہ دشواریوں کو آپ نے خود دعوت دی ہے۔ روایت کے الفاظ غلط نقل کر کے آپ نے اپنے تئیں مصیبت میں ڈال لیا ہے۔ اندھیرے میں تیر چلانے اور عقلی گھوڑے دوڑانے کی نسبت کہیں یہ آسان بات نہ تھی کہ آپ کسی عالمِ دین سے رجوع فرماتے اور وہ آپ کو اصل بات بتلا دیتے۔ تاکہ سبکی بھی نہ ہوتی! ———

پروفیسر صاحب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امِ ورقہؓ کو مسجد میں مردوں کا امام نہ بنایا تھا، بلکہ ان کے اپنے گھر میں انہیں عورتوں اور بچوں کی امامت کے لیے فرمایا تھا۔ آپ کی تسلی طبع کی خاطر ہم پوری حدیث نقل کئے دیتے ہیں :

عَنْ اُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ نَوْفَلٍ : اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا غَزَا بَدْرًا قَالَتْ : قُلْتُ لَهُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لِّيْ فِي الْغَزْوِ مَعَكَ اُمَرِّضُ مَرْضَاكُمْ ، لَعَلَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَرْزُقُنِيْ شَهَادَةً - قَالَ قَرِّيْ فِيْ بَيْتِكِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُكِ الشَّهَادَةَ - قَالَ فَكَانَتْ تُسَمَّى الشَّهِيْدَةُ - قَالَ وَكَانَتْ قَدْ قَرَأَتِ الْقُرْاٰنَ . فَاسْتَاْذَنَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْ دَارِهَا مُؤَذِّنًا فَاَذِنَ لَهَا - قَالَ ، وَكَانَتْ دَبَّرَتْ غُلَامًا لَهَا وَجَارِيَةً فَقَامَا اِلَيْهَا بِاللَّيْلِ ، فَغَمَّاهَا بِقَطِيْفَةٍ لَّهَا حَتّٰى مَاتَتْ وَذَهَبَا - فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَقَامَ فِي النَّاسِ ، فَقَالَ : مَنْ عِنْدَهُ مِنْ هٰذَيْنِ عِلْمٌ اَوْ مَنْ رَاٰهُمَا فَلْيَجِئْ بِهِمَا - فَاَمَرَ بِهِمَا فَصُلِبَا . فَكَانَا اَوَّلَ مَصْلُوْبٍ بِالْمَدِيْنَةِ -"

وَفِيْ رِوَايَةٍ : قَالَ : وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فِيْ بَيْتِهَا وَجَعَلَ لَهَا مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ لَهَا - وَاَمَرَهَا اَنْ تَؤُمَّ اَهْلَ دَارِهَا قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ : فَاَنَا رَاَيْتُ مُؤَذِّنَهَا شَيْخًا كَبِيْرًا -"

(مختصر سنن ابی داؤد للمنذری ص ۳۰۶ ج ۱ طبع لاہور)

"حضرت ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کا ارادہ فرمایا تو میں نے عرض کی "مجھے بھی اجازت دیجئے اللہ کے رسول ؐ، کہ آپؐ کے ہمراہ اس غزوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کروں۔ میں بیماروں کی تیمارداری کروں گی، شاید کہ اللہ عزوجل مجھے شہادت کے مرتبہ پر سرفراز فرمائیں "! آپؐ نے ارشاد فرمایا، " اپنے گھر میں ٹکی رہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت عطا فرمائیں گے "! چنانچہ اسی وقت سے اس کا نام "شہیدہ" مشہور ہوگیا۔ راوی کا بیان ہے

کہ ام ورقہؓ قرآنِ مجید پڑھ چکی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے گھر میں ایک مؤذن رکھ لیں۔ آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت ام ورقہؓ نے اپنے غلام اور لونڈی کو مدبر بنا لیا تھا (یعنی ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ "میری موت کے بعد تم دونوں آزاد ہو") ان دونوں نے (اپنی جلد رہائی کی خاطر) رات کے وقت ام ورقہؓ کا چادر سے گلا گھونٹ دیا جس سے وہ مر گئیں اور انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے تفتیش کر کے ان کو گرفتار کیا اور دونوں کو سولی پر لٹکا دیا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے پھانسی دیئے جانے والے یہی دونوں تھے۔" (گلا گھونٹنے کا قصاص پھانسی ہی ہے)

"ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام ورقہؓ کے گھر میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور آپؐ نے ان کے لیے ایک مؤذن مقرر فرما دیا تھا۔ جو ان کے لیے اذان دیا کرتا تھا۔ اور آپؐ نے ام ورقہؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کیا کریں۔ راوی (عبدالرحمان ابنِ خلاد انصاری) کا بیان ہے، "میں نے اس مؤذن کو دیکھا ہے۔ وہ بہت ہی بوڑھے شخص تھے۔"

ہم نے پوری حدیث مع ترجمہ نقل کر دی ہے۔ خط کشیدہ الفاظ پروفیسر صاحب کی دشواریوں کو نہ صرف آسانی میں بدل دیں گے بلکہ انہیں اپنے مبلغ علم کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ نیز یہ پتہ چل جائے گا کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے پروفیسر صاحب نے غلط سلط تو بہت لکھا لیکن یہ بات گول کر گئے۔ انہوں نے بڑے چٹخارے لے لے کر یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اس سے استدلال کرتے ہوئے ایک تو مسلم لڑکی کو اپنے شوہر کا (جو اس سے قبل اس کا عاشقِ صادق تھا) امام بننے کی بھی اجازت عطا فرمائی ہے۔ اور اسے یہ مشورہ دیا ہے کہ کسی "عام مولوی صاحب سے یہ مسئلہ نہ پوچھنا کہ وہ کہے گا کہ یہ جائز نہیں" ——— ہاں پروفیسر صاحب نے اس کا مسئلہ یوں حل کیا کہ "ام ورقہؓ کو رسول اللہ نے ایک مسجد کا امام مامور فرمایا تھا اور ان کے پیچھے مرد بھی نماز پڑھتے تھے" ——— معلوم نہیں وہ کون مرد تھے جو مسجد نبوی کو چھوڑ کر، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی اقتداء سے محروم رہ کر، ایک عورت کے گھر میں اس کی امامت میں نماز ادا کرنا قابل فخر خیال کرتے تھے؟ بالخصوص اس صورت میں کہ آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

"قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان کا حکم دوں، پھر کسی کو امامت کے فرائض ادا کرنے کی تاکید کروں اور خود ایسے مردوں کی طرف جاؤں جو نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور ان کے مکانوں کو ان کے سمیت آگ لگا دوں۔ مگر ایسا اس لیے نہیں کرتا کہ گھروں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بچے بھی (جن پر نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونا فرض نہیں ہے)۔"

(باب الجماعۃ بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

——— پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ:

"سچ بہت تلخ ہوتا ہے، اسے برداشت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ یہ سچ ہے کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ منقید رکھنے والا معاشرہ خود مریض ہوتا ہے"!

——— آپ بھول رہے ہیں پروفیسر صاحب، مومن کی تو شان ہی یہ ہے کہ سچ کو برضا و رغبت قبول کرے، کہ اس کی تلخی میں بھی وہ لذت محسوس کرتا ہے۔ اور جھوٹ خواہ کتنا ہی دلفریب کیوں نہ ہو، وہ اس سے نفرت کرتا ہے ——— چنانچہ سچ وہ ہے جو کتاب و سنت میں موجود ہے، اور مومن اس کو تسلیم کرکے ایک گونہ فرحت محسوس کرتا ہے ——— ہاں جو کچھ آپ نے فرمایا، وہ سچ ہے ہی نہیں، پرلے درجے کا جھوٹ ہے ——— اولین درجہ کی خود فریبی ہے ——— شوگر کوٹڈ زہر کی یہ وہ گولیاں ہیں جو کسی بھی معاشرہ کی صحت کی ضامن نہیں ہوتیں بلکہ اس کی ہلاکتوں کا پیغام بن جایا کرتی ہیں! ——— یاد رکھئے پروفیسر صاحب، وہ بہترین معاشرہ جس کی صحت کی قسم کھائی جاسکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور کا معاشرہ تھا، جس میں شدید ضرورتوں کا لحاظ ضرور رکھا گیا، لیکن عورت کو بے پردہ ہونے کی اجازت کسی صورت نہ مل سکی ——— چنانچہ یہ اسی معاشرہ کی بات ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تے بھی، حضرت امِ ورقہؓ کو جہاد ایسی سعادت میں حصہ لینے سے روک کر، ان کو اپنے گھر میں ٹکے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی ـــــ یہی سچ ہے، جس کو برداشت کرنا آپ کے لیے مشکل ہو رہا ہے لیکن ایک سچے مومن کے لیے یہی مژدۂ جانفزا ہے ـــــ جبکہ دلفریب مگر بدترین جھوٹ یہ ہے کہ آپ کتاب وسنّت کے حوالے سے عورت کو اسمبلی میں پہنچانا چاہتے ہیں اور پہنچا رہے ہیں، دفاتر میں بھرتی کروا رہے ہیں اور اس کی پاکیزگی، شرافت اور عفت وعصمت کا نشان دوپٹہ اور برقع اس سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس جھوٹ سے ہمیں شدید نفرت ہے، گھن آتی ہے ہمیں اس سے! ـــــ اور سطورِ بالا سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوششوں میں کتاب وسنّت نے کہیں بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ اس کے باوجود آپ نے اُن علماءِ دین کو، جو اسلامی تعلیمات کی پابندی ہی میں دنیوی اور اخروی فلاح کا راز مضمر جانتے ہیں، منافقت، بزدلی اور خود فریبی کا طعنہ دیا ہے ـــــ اگر کتاب وسنّت کے احکام پر عمل کرنا منافقت، بزدلی اور خود فریبی ہے پروفیسر صاحب، تو روزِ قیامت یہی دعویٰ لے کر ربِّ قدیر کے حضور حاضر ہو جایئے گا ـــــ ہمیں یقین ہے کہ احکم الحاکمین کی بارگاہ سے آپ کو انصاف ملے گا! ـــــ فی الحال یہ باور کیجیے کہ فریب خوردہ اور عورت کی نسوانیت کے بدترین دشمن وہ جدید دانشور ہیں جو ہمدردی آزادی اور روشن خیالی کے پردے میں اس کی شرافت اور حیا کو اپنی گندی خواہشات کی بھینٹ چڑھا دینا چاہتے ہیں ـــــ بالفاظِ دیگر مسلم معاشرہ کے لیے مارِ آستین، وہ زہریلے سانپ کہ جو مغربیت کا بھن پھیلائے اس کے دین و ایمان کو ڈس لینے کے لیے بیتاب نظر آتے ہیں ـــــ عورت کو نیکریں اور جانگیے پہنا کر کھیل کے میدان میں بھی دھکیلتے ہیں اور یہ اطمینان بھی دلاتے ہیں کہ:

"ہمارے "مصلحین" اور "صالحین" کو ابھی خواہ مخواہ اپنی نیندیں حرام کرنے کی ضرورت نہیں، جب تک ہمارے ہاں مغرب کے حالات پیدا نہیں ہوتے، ہم مغربی نہیں بن سکتے!"

ـــــ جنس کے پجاری ہیں، مگر پروپیگنڈہ یہ کرتے ہیں کہ:

"علماء نے گھر گھر چنگیزیت قائم کر رکھی ہے۔ مرد نے طلاق کا لفظ منہ سے

نکالا اور طلاق ہو گئی ــــ لونڈی کی طرح بیوی کو بھی جب چاہے چھوڑ دے ..... وہ پاؤں کی جوتی تھی، جب چاہی اتار کر پھینک دی اور نئی جوتی خرید لی!"

ــــ لیکن حالت یہ کہ مرد کے علاوہ عورت کو بھی طلاق کا حق دینے کی سفارش نہیں کرتے ہیں ـ کیونکہ صرف مرد کے پاس یہ حق رہنے سے ہمارے معاشرہ میں طلاق کے اعداد و شماران سرحدوں کو چھو لینے میں ناکام رہے ہیں، جو ان معاشروں کا طرۂ امتیاز ہیں، جن میں مرد کے علاوہ عورت کو بھی طلاق دینے کا حق حاصل ہے!

ــــ رہے علماء، تو وہ وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور آپؐ کا ارشادِ گرامی یہ ہے کہ:

"بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق مانگنے والی عورت پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے" (سنن الدارمی ص ۸۵/۲ طبع ملتان)

جبکہ مرد کو یہ حق حاصل ہونے کے باوجود آپؐ نے اسے یہ تنبیہ فرمائی کہ:

"اِنَّ اَبْغَضَ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ!"

(سنن ابی داؤد مع عون المعبود ص ۲۲۱/۲)

کہ "وہ کام، جو حلال ہونے کے باوجود اللہ کریم کے نزدیک مبغوض ترین ہے، طلاق ہے!"

ــــ اور آپ نے یہ بھی غلط کہا پروفیسر صاحب، کہ "مرد نے طلاق کا لفظ منہ سے نکالا اور طلاق ہو گئی"! ــــ پہلے اسلامیات کا مطالعہ کیجئے پھر فتوے رسید کیجئے! ــــ یہ ایک مستقل موضوع ہے، جسے ہم بخوفِ طوالت نظر انداز کر رہے ہیں، فی الحال صرف یہ سمجھ لیجئے کہ اس سلسلہ میں بھی ایسی حکمتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ آناً فاناً یہ رشتہ ٹوٹ نہ جائے ـ آپ نہ جانے کہاں گھوم پھر رہے ہیں؟

ہاں طلاق کا حق صرف مرد کے پاس رہنا اگر آپ کے نزدیک عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھنے کے مترادف ہے، تو عورت کو بھی یہ حق دے دینا، نتائج کے لحاظ سے گویا خود عورت کی طرف سے یہ مطالبہ ہے کہ اسے واقعتاً پاؤں کی جوتی تصور کیا جائے ـ جو اگر مان لیا جائے تو عورت کا مخصوص مزاج اسے ایک ایسے

جہنم میں دھکیل دے گا کہ اس سے راہِ فرار حاصل کرنا اس کے لیے ناممکنات میں سے ہوگا۔ اور علماء کی مزعومہ "چنگیزیت" اس جہنم کے سامنے شرمسار ہو کر رہ جائے گی ـــــ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اسلام نے اگر مرد کو طلاق کا حق دیا ہے تو یہ مرد و زن کی فطرت کے عین مطابق ہے، جس میں خود عورت کا تحفظ، طلاق کا حق عورت کو بھی حاصل ہونے کی نسبت، زیادہ ہے؟ ـــــ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلام نے عورت کو بھی وہ مقام دیا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مہذب ترین معاشرہ آج تک اسے یہ مقام نہ دے سکا ـــــ یہ اسلام ہی تھا، جس نے اسے زندہ درگور ہونے سے بچایا اور گھر کی ملکہ بنایا ـــــ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

"وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا"

(الادب المفرد للبخاری ص۹۵)

"عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے"

ـــــ حتیٰ کہ مرد کو اپنی جنت، عورت کے قدموں میں تلاش کرنے کا مشورہ دیا:

"فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ قَدَمَيْهَا" (المستدرک للحاکم جلد ۴ ص۱۵۱)

کہ "جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے!"

ـــــ لیکن آپ کو یہی اسلام سراپا ظلم نظر آتا ہے۔ اور چالاکی یہ کرتے ہیں کہ گالی دیتے وقت اسلام کی بجائے نام علماء کا لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا پورا مضمون ہمارے اس دعویٰ کا منہ بولتا ثبوت ہے! ـــــ من مانی اپنی کرنا چاہتے ہیں، لیکن طعن مرد کو کرتے ہیں، جیسے خود مرد کی بجائے عورت ہوں ـــــ لکھتے ہیں کہ:

"مرد اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے .... عورت کو پیداواری سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکے رکھنا چاہتا ہے اور اسے صرف اپنی تسکین کا ذریعہ تصور کرتا ہے۔ بیسویں صدی کی مسلمان عورت کی آزادی صرف یہی نہیں ہے کہ وہ باورچی خانے کی ضروریات یا بچوں کے لیے کپڑا لتا خریدنے کے لیے بازار جا سکتی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اس وقت تک آزاد نہیں کہلا سکتی جب تک اپنے ملک کی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی میں بھرپور کردار ادا نہیں کرتی!"

—— یعنی آپ کے نزدیک عورت کی اصل "آزادی" یہ ہے کہ وہ باورچی خانے کی ضروریات پوری کرنے، بچوں کو سنبھالنے، ان کا کپڑا لتا خریدنے، کھیل کے میدانوں میں ملک و قوم کا نام "روشن" کرنے، اسمبلیوں میں چہچہانے اور دیگر سیاسی و سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے علاوہ کما کر بھی آپ کو کھلائے، اور آپ صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے ان عورتوں کی "مظلومیت" کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں جن کی ساری ضروریات گھر بیٹھے پوری ہو جاتی ہیں —— بڑا کرم کریں تو باورچی خانہ خود سنبھال لیں، ورنہ گھر کے متنوع کاموں کے لیے ملازمین کی ایک فوج بھرتی کر کے دفتر میں کام کرنے والی عورت کی تنخواہ سے تین گنا زیادہ اخراجات کا تخمینہ تیار کریں۔ اور اس طرح پہلے اپنے گھر کی معیشت، اور پھر انہی اصولوں پر ملکی معیشت کو "سنبھالا" دیں —— پروفیسر صاحب، مذکورہ سرگرمیوں میں حصہ لینا آپ کا کام ہے، اپنے حصے کا کام خود کیجئے، ورنہ مرد اگر یونہی ناکارہ ہو گئے تو یہ وہی صورتِ حال ہو گی جس کا نقشہ آپ نے اپنے مضمون کے آخر میں کھینچا ہے اور لکھا ہے کہ:

"آزادیٔ وطن کی خاطر گولیوں، بندوقوں اور بموں سے کھیلنے والی ایک کھلے منہ والی عورت زیادہ قابلِ احترام ہے یا سات پردوں میں چھپ کر چھری سے پیاز کاٹنے والی عورت معاشرے کے لیے زیادہ مفید ہے؟"

—— ہاں ہاں، مذکورہ کاموں کے علاوہ یہی ایک میدان باقی رہ گیا تھا، سو اس میں بھی عورت ہی کو دھکیلئے —— یہ ایسے مرے گی بھی نہیں، اسے گولیوں، بندوقوں اور بموں کا نشانہ بنوایئے اور مردوں کو مشورہ دیجئے کہ چوڑیاں پہن کر گھروں میں آرام سے بیٹھیں یا باورچی خانہ میں چھری سے پیاز کاٹنے کی مشق ناز فرمائیں —— واللہ، پروفیسر صاحب آپ کتنے نیک دل، ہمدرد اور غم گسار ہیں، علماء نے تو بس گھر گھر چنگیزیت قائم کر رکھی ہے!

—— پروفیسر صاحب، عورت کی عفت و عصمت کے نگہبان جب ایسے ہی دیوث ہو جائیں اور اسے خود ہی بے عورت کر کے گھر سے باہر نکال دیں، تو ظاہر ہے، اپنی اس پونجی کی حفاظت بھی اسے خود کرنا ہو گی —— ورنہ زندہ قوموں کو ایسے دن دیکھنا نصیب نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کی صفوں میں محمد بن قاسم ایسے غیرت مند

مجاہد موجود ہوتے ہیں، جو اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و وقار کے امین ہوتے ہیں ــــ اور جنہیں دفتروں میں جا کر ملازمت کرنے والی عورتیں نہیں، بلکہ وہ مائیں جنم دیتی اور دودھ پلاتی ہیں جو گھر کی چار دیواری میں رہ کر انہیں قال اللہ و قال الرسولؐ کی ایمان پرور اور روح پرور لوریاں سناتی ہیں ــــ اور آخر میں ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں کہ عورت صرف بیوی نہیں ہوتی ــــ اس کے علاوہ وہ ماں بھی ہے، بہن بھی اور بیٹی بھی! اور ہمارے آج کے معاشرے میں ماؤں کو بیٹوں سے، بہنوں کو بھائیوں سے اور بیٹیوں کو باپوں سے کوئی شکوہ نہیں، لہٰذا "ظلم و ستم" کی یہ داستانیں اگر درست بھی فرض کر لی جائیں تو یہ صرف شوہر اور بیوی کا معاملہ ہے، یعنی کل کا ۱/۴! ــــ اور اس میں بھی پروپیگنڈہ زیادہ ہے، حقیقت بہت کم! چنانچہ ہمیں کیا معلوم کہ آپ واقعی پیاز بھی کاٹتے ہوں! ــــ پھر اس حقیقت کا ذمہ دار بھی نہ اسلام ہے نہ علمائے اسلام، بلکہ اس کا ذمہ دار وہ معاشرہ ہے جو علماء اور اسلامی تعلیمات سے دور بھاگتا ہے۔ ورنہ قرآن مجید نے تو میاں بیوی کو ایک دوسرے کا سکون قرار دیا ہے۔

"وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا" (الاعراف : ۱۸۹)

چنانچہ آپ کا یہ وار بھی خالی گیا کہ "مرد عورت کو اپنی تسکین کا ذریعہ تصور کرتا ہے" ــــ اور اگر تیر نشانے پر بیٹھتا ہے تو آپ ہی دیکھ لیجیے، اس کا ہدف خود قرآنِ مجید ہے، جو کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہوتا! ــــ پھر قرآنِ مجید ہی نے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے:

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"

(البقرۃ : ۱۸۷)

لیکن مغربیت کی تبلیغ کے جنون میں مبتلا جو لوگ مرد اور عورت کو بہکانا چاہتے ہیں، وہ دراصل ان کا لباس اتروانے کی فکر میں ہیں۔ جبکہ یہ فریضہ سب سے پہلے ابلیس نے انجام دیا تھا ــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا" (الاعراف : ۲۷)

"(خبردار) اے بنی آدم! تمہیں شیطان فتنے میں نہ ڈال دے، جس طرح اس نے تیرے ماں باپ کو جنت سے نکالا تھا۔ ان کا لباس ان سے چھینتا تھا تاکہ وہ ننگے ہو جائیں!"

——— اب یہ سوچنا پروفیسر صاحب، آپ کا کام ہے کہ آج کے اس دور میں مرد اور عورت کو بہکا کر ان کی شرم وحیا کو داؤ پر لگانے والا، ان کے لباس اتروانے والا اور اسلامی معاشرہ کی جنت سے نکال کر انہیں مغرب کے ایمان سوز جہنم میں جھونکنے والا کون ہے؟

——— توبہ کیجئے پروفیسر صاحب، رب کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار کیجئے اور روزنامہ "جنگ" ہی میں یہ اعلان کیجئے کہ آپ نے جو کچھ لکھا تھا، غلط لکھا تھا، سب جھوٹ تھا ——— اور سچ یہ ہے کہ:

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا" (الاحزاب: ۵۹)

نیز:

"وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ——— الآية" (الاحزاب: ۳۳)

یعنی مسلمان عورتیں برقع پہن کر اپنے بدن، چہرے اور ہاتھوں سمیت، ان کے اندر چھپالیں، جاہلیت کے زمانہ کی طرح بناؤ سنگھار کر کے بازاروں میں بے پردہ نہ گھومیں اور اپنے گھر میں قرار پکڑ کر نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کریں!

——— ان شاء اللہ دنیا اور آخرت میں آپ کا بھلا ہوگا ———

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ!

Regd. No. L. 7895 Phones : 852897 - 63210

Monthly MOHADDIS Lahore-14

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

★ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ لیکن تعصبات سے بالاتر رہ
افہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

★ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی اِرتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں ـــــ
لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت
کی تباہی کا سبب ہے۔

★ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے ـــــ لیکن
دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا جہالت
دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

★ تبلیغِ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے ـــــ
لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح
کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

★ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے لیکن

ع جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

★ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے ـــــ لیکن جاہلیت
کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو :

مُحدِّث

کا مطالعہ فرمایئے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس
کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

زرِ سالانہ ۳۰ روپے فی پرچہ ۳ روپے